قراءات اور جمع قرآن کی بابت غامدی صاحب کی علمی خیانت اور دہرے معیار

کاوش محمد مدثر علی راؤ

ابوعبدالرحمٰن السلمی اور امام زرکشی رحمتہ اللہ علیہم کی بابت علمی خیانت

قارئین کرام! ہمارے ہاں عام طور پر جس قراءت کو پڑھا جاتا ہے وہ امام حفص کی روایت کردہ قراءت ہے اس کے علاوہ دیگر قراءات جو مختلف ممالک میں پڑھی جاتی ہیں ان کے متعلق غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ "یہ باقی قراءات قرآن نہیں بلکہ عجم کا فتنہ ہیں اور قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے"۔
اس سلسلہ میں غامدی صاحب نے اپنی کتاب میزان کے صفحہ 28 اور 29 پر ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا قول اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اس پر ہم آپ کے سامنے پانچ گزارشات پیش کریں گے جس کی روشنی میں آپ حضرات غامدی صاحب کی علمی دیانت اور تحقیق وریسرچ کا معیار بخوبی جان سکیں گے، ملاحظہ فرمائیں.....
غامدی صاحب نے قراءت کے حوالے سے اپنے مؤقف کی تائید میں امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب سے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا نامکمل قول پیش کیا جو کہ موصوف کی علمی خیانت ہے۔ سب سے پہلے غامدی صاحب کا وہ نقل شدہ قول ملاحظہ فرمائیں..... " ابوبکر وعمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین وانصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اِس قراءت میں زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے (البرہان، الزرکشی ۱/۱۳۳)۔"
(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 28،29)
قارئین کرام! غامدی صاحب نے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی جو عبارت نقل کی ہے اب اس کا آخری اور مکمل حصہ ملاحظہ فرمائیں......"ولذلک اعتمدہ الصدیق فی جمعہ وولاہ عثمان کتبۃ المصحف۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کے جمع کرنے پر ان پر اعتماد کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن پاک لکھنے میں انکو نگران بنایا" (مفہوم)

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن، امام زرکشی صفہ 331)

اصول ومبادی

ہوگی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت اس میں سے کوئی چیز اگر ختم کرنا چاہیں گے تو اُسے ختم کرنے کے بعد یہ آپ کو اس طرح پڑھا دیں گے کہ اس میں کسی سہو ونسیان کا کوئی امکان باقی نہ رہے گا اور اپنی آخری صورت میں یہ بالکل محفوظ آپ کے حوالے کر دیا جائے گا۔

ثانیاً، آپ کو بتایا گیا ہے کہ یہ دوسری قراءت قرآن کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دینے کے بعد کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی آپ اس بات کے پابند ہو جائیں گے کہ آئندہ اسی قراءت کی پیروی کریں۔ اس کے بعد اس سے پہلے کی قراءت کے مطابق اس کو پڑھنا آپ کے لیے جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً، یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کے کسی حکم سے متعلق اگر شرح ووضاحت کی ضرورت ہوگی تو وہ بھی اس موقع پر کر دی جائے گی اور اس طرح یہ کتاب خود اس کے نازل کرنے والے ہی کی طرف سے جمع وترتیب اور تفہیم وتبیین کے بعد ہر لحاظ سے مکمل ہو جائے گی۔

قرآن کی یہی آخری قراءت ہے جسے اصطلاح میں "عرضۂ اخیرہ" کی قراءت کہا جاتا ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین ہر سال جتنا قرآن نازل ہو جاتا تھا، رمضان کے مہینے میں اُسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سناتے تھے۔ آپ کی زندگی کے آخری سال میں، جب یہ عرضۂ اخیرہ کی قراءت ہوئی تو اُنھوں نے اِسے دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ، فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض فیہ (بخاری، رقم ۴۹۹۸)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر سنایا جاتا تھا، لیکن آپ کی وفات کے سال یہ دو مرتبہ آپ کو سنایا گیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کی قراءت یہی تھی۔ آپ کے بعد خلفاے راشدین اور تمام صحابۂ مہاجرین وانصار اسی کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اس معاملے میں اُن کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا۔ بعد میں یہی قراءت "قراءت عامہ" کہلائی۔ ابو عبدالرحمن السلمی کی روایت ہے:

کانت قراءۃ ابی بکر وعمر وعثمان وزید بن ثابت والمھاجرین والانصار واحدۃ کانوا یقرءون القراءۃ العامۃ وھی القراءۃ التی قرأھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی جبریل مرتین فی العام الذی قبض

"ابو بکر وعمر، عثمان، زید بن ثابت اور تمام مہاجرین وانصار کی قراءت ایک ہی تھی۔ وہ قراءت عامہ کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ یہ وہی قراءت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے سال جبریل امین کو دو مرتبہ قرآن سنایا۔ عرضۂ اخیرہ کی اس قراءت میں

میزان ۲۸

اصول ومبادی

فیہ، وکان زید قد شھد العرضۃ الاخیرۃ وکان یقرئ الناس بھا حتی مات. ؟

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔"

1

میزان ۲۹

2

جمع القرآن ومن حفظه من الصحابة — ٣٣١

(البقرة : ١٨٥) وقال تعالى : ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ (القدر : ١) ، ثم كان ينزل مفرّقا على رسول الله ﷺ مدة حياته عند الحاجة ؛ كما قال تعالى : ﴿ وقُرآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴾ (الإسراء : ١٠٦) فترتيبُ النزول غير ترتيب التلاوة ؛ وكان هذا الاتفاق من الصحابة سبباً لبقاء القرآن في الأمة ، ورحمة من الله على عباده ، وتسهيلا وتحقيقاً لوعده بحفظه ؛ كما قال تعالى : ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر : ٩) وزال بذلك [١] الاختلاف ، واتفقت [١] الكلمة .

قال أبو عبد الرحمن السلميّ [٢] : « كانت قراءة أبي بكر وعمر وعثمان وزيد بن ثابت والمهاجرين والأنصار واحدة ، كانوا يقرءون القراءة العامة ، وهي القراءة التي قرأها رسول الله ﷺ [٣] على جبريل مرتين في العام الذي قبض فيه ، وكان زيد [قد] [٤] شهد العرضة الأخيرة ، وكان يُقرِىء الناس بها حتى مات ، ولذلك اعتمدَه الصديق في جمعه ، وولّاه عثمان كتبة المصحف » .

عبارت کا بقیہ حصہ جسے غامدی صاحب نے پیش نہیں کیا

وقال أبو الحسين بن فارس [٥] في « المسائل الخمس » : « جَمْع القرآن على ضربين : أحدهما تأليف السُّور ، كتقديم السبع الطوال وتعقيبها بالمثين ؛ فهذا الضرب هو الذي تولته الصحابة وأما الجمع الآخر وهو جمع الآيات في السور فهو توقيفيّ تولّاه النبي ﷺ .

وقال الحاكم في المستدرك : « وقد روي حديث عبد الرحمن بن شماسة [٦] عن زيد بن ثابت قال : كنّا عند رسول الله ﷺ نؤلّفُ [٣٤/ أ] القرآن من الرقاع . . . الحديث [٧] ، قال : وفيه البيان الواضح أن جمع القرآن لم يكن مرة واحدة ، فقد جُمِع بعضه بحضرة النبي ﷺ ، ثم ٢٣٨/١

(١) في المخطوطة : (الخلاف واختلفت) .
(٢) هو عبدالله بن حبيب بن رُبيّعة أبو عبد الرحمن السلمي الكوفي المقرىء التابعي ، روى عن عثمان وعلي وابن مسعود توفي سنة ٧٢ هـ (ابن حجر ، تهذيب التهذيب ٥/ ١٨٤) وانظر قوله في المرشد الوجيز ص : ٦٨ .
(٣) في المخطوطة زيادة (كانوا يقرأون) في هذا الموضع .
(٤) ساقطة من المخطوطة .
(٥) هو أحمد بن فارس بن زكريا تقدم ذكره ص ١٩١ وذكر له كتاب «المسائل» السيوطي في بغية الوعاة ١/ ٣٥٢ .
(٦) تصحّف الاسم في المطبوعة والمخطوطة إلى : (شماس) والتصويب ما أثبتناه من التهذيب ٦/ ١٩٥ .
(٧) أخرجه الحاكم في المستدرك ٢/ ٢٢٩ كتاب التفسير ، باب جمع القرآن لم يكن مرة واحدة ، وأخرجه أحمد في المسند ٥/ ١٨٥ ، وأخرجه الترمذي في السنن ٥/ ٧٣٤ ، كتاب المناقب (٥٠) ، باب فضل الشام واليمن (٧٥) ، الحديث (٣٩٥٤) ، وأخرجه البيهقي في دلائل النبوة ٧/ ١٤٧ .

قارئین کرام! اب سوال یہ بنتا ہے کہ کیا وجہ تھی جو غامدی صاحب نے ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی عبارت کو نامکمل پیش کیا؟ آیئے اس کی وجہ بھی ہم آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

غامدی صاحب کا جمع قرآن کے متعلق بھی عقیدہ سب سے الگ ہے۔ موصوف کا یہ ماننا ہے کہ "قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی کتابی صورت میں مرتب ہو چکا تھا اور جن روایات میں قرآن مجید کا صحابہ کرام کے دور میں جمع ہونے کا لکھا گیا ہے وہ سب روایتیں قرآن و عقل کے خلاف ہے۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 31)

3

اصول و مبادی

دوم یہ کہ اس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اس میں عربی لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جا سکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے سلا نیا اسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ اُن روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور اُن کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

و كان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب في الشيء الواحد على فضل رأيه وعلمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضًا، ولا يشعر	"اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

میزان ۳۱

قارئین کرام! یہی وجہ تھی کہ اس عبارت کے بقیہ حصہ کی وجہ سے غامدی صاحب کے جمع قرآن کے حوالے سے ان کے خود ساختہ عقیدہ پر ضرب لگتی تھی لہٰذا انہوں نے اس عبارت کو مکمل نقل کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔

یہاں پر ہم غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس سے سوال پوچھتے ہیں کہ اگر ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی روایت کا پہلا حصہ آپ کے لیے قابل قبول اور استدلال ہے تو پھر انکی اسی روایت کا بیان کردہ باقی حصہ قابل قبول کیوں نہیں ہے؟

کسی آدھی بات کو لے لینا اور آدھی بات کو چھوڑ دینا کیا غامدی صاحب کے سٹوڈنٹس انکی اس حرکت کو علمی خیانت میں شمار کریں گے؟ تاریخ میں یہ کام کون لوگ کیا کرتے تھے یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں ہے۔

امام زرکشی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "البرہان" جلد 1 صفحہ 331 کا حوالہ تو غامدی صاحب نے پیش کر دیا لیکن غامدی صاحب کے پیش کردہ حوالے کے صفحہ نمبر 331 سے پہلے کے 5 صفحات اور اس کے بعد کے 6 صفحات میں امام زرکشی رحمہ اللہ نے عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جمع قرآن کا ذکر کیا ہے اسی لیے امام زرکشی رحمہ اللہ نے ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا اوپر بیان کردہ قول لکھا ہی اسی جمع قرآن کے استدلال کے لیے تھا اور انکا استدلال ابو عبدالرحمٰن السلمی کے قول کے آخری حصہ سے تعلق رکھتا تھا۔۔۔۔۔ جسے غامدی صاحب نے آپ حضرات سے چھپا لیا تھا۔

غامدی صاحب نے امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب کا حوالہ تو دے دیا لیکن یہ وہی امام زرکشی رحمہ اللہ ہیں جنھوں نے اپنی اسی کتاب "البرہان" میں لکھا ہے کہ۔۔۔ "سب سے پہلے جس شخص نے قرآن مجید کو کتابی صورت میں یکجا جمع کیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس نسخے کو دیگر نسخوں کی طرف تحویل کر دیا۔" (مفہوم) یعنی کہ اسی کے مختلف نسخے بھی تیار کروا دیے۔ ناقل۔

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن جلد 1 صفحہ 329)

المثاني، وإلى «براءة» وهي من المئين؛ فقرنتم بينهما، ولم تكتبوا بينهما سطر ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾؟ قال عثمان: كان رسول الله ﷺ مما يأتي عليه الزمان وتنزل عليه السور، وكان إذا نزل عليه شيء دعا بعض مَنْ كان يكتبه فقال: ضَعُوا هذه الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، وكانت «الأنفال» من أوائل ما نزلَ من المدينة، وكانت «براءة» من آخر القرآن؛ وكانت [قصتها][1] شبيهة بقصتها فقبض رسول الله ﷺ ولم يبيّن لنا أنها منها؛ فمن أجل ذلك قرنت بينهما، ولم أكتب بينهما سطر ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾، ثم كتبت[2]» ١/٢٣٥

فثبت أنَّ القرآن كان على هذا التأليف والجمع في زمن النبي ﷺ، وإنما [ترك][3] جمعُه في مصحف واحد؛ لأنَّ النسخ كان يَرِدُ على بعض[4]، فلو جمعه ثم رفعت تلاوةُ بعض[4] لأدّى إلى الاختلاف واختلاط الدين، فحفظه الله في القلوب إلى انقضاء زمان النسخ، ثمّ وُفّقَ لجمعه الخلفاء الراشدون[5].

واعلم أنه قد اشتهرَ أن عثمانَ هو أولُ مَنْ جمع المصاحف؛ وليس كذلك لما بيّناه، بل أولُ مَنْ جمعها في مصحف واحد الصدّيق، ثم أمرَ عثمانُ حين خاف الاختلاف في القراءة بتحويله منها إلى المصاحف؛ هكذا نقله[6] البيهقي[7].

قال: «وقد روينا عن زيد بن ثابت أنّ التأليف كان في زمن النبي ﷺ، وروينا عنه أن الجمع في المصحف كان في زمن أبي بكر [رضي الله عنه][8] والنسخَ في المصاحف في زمن عثمان، وكان ما يجمعون وينسخون معلوماً لهم، بما كان مثبتاً في صدور الرجال، وذلك كلُّه بمشورة مَنْ [9]حضره من الصحابة[9] [٣٣/ب] [وارتضاه[10]] عليّ بن أبي طالب، وحمِد أثره فيه».

---

(١) ساقطة من المخطوطة.
(٢) تقدم تخريج الحديث ص ٣٢٥.
(٣) ساقطة من المخطوطة.
(٤) في المخطوطة: (بعضه).
(٥) في المطبوعة: (الراشدين) وكلاهما محتمل.
(٦) في المخطوطة: (رواه).
(٧) انظر السنن الكبرى ٢/ ٤١ - ٤٢، باب الدليل على أن ما جمعته مصاحف الصحابة رضي الله عنهم كله قرآن وكتاب دلائل النبوة ٧/ ١٤٧ باب ما جاء في تأليف القرآن.
(٨) ما بين الحاصرتين ساقط من المطبوعة.
(٩ - ٩) عبارة المخطوطة: (من جماعة من علماء الصحابة).
(١٠) ساقطة من المخطوطة.

قارئین کرام! یہاں پر امام زرکشی رحمہ اللہ نے واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ ایک مصحف میں یکجا قرآن عہد صدیقی میں ہوا جبکہ عہد عثمانی میں اس کے مختلف نسخے تیار کر کے مختلف شہروں میں بھجوا دیے گئے۔ کیا یہ بات غامدی صاحب کے سامنے پیش نہ ہوئی تھی؟ چونکہ موصوف نے امام زرکشی کی کتاب سے ایک عبارت وہ بھی اپنے مطلب کی آدھی آدھوری نامکمل نقل کی لیکن امام زرکشی رحمہ اللہ کے دوسرے مؤقف کو اپنے قارئین سے چھپا لیا۔۔۔۔۔۔۔ آخر یہ اتنی بڑی علمی خیانت کیوں؟

وہ بھی اتنے اہم مسئلہ پر!

قارئین کرام! یہ وہی امام زرکشی رحمہ اللہ ہیں کہ جنہوں نے اسی کتاب "البرہان" جلد 1 صفحہ 319 پر لکھا ہے کہ۔۔۔

"مسلمانوں کا ان ادوار میں اجماع ہو چکا ہے کہ جو کچھ ان آئمہ سے منقول ہے یہ سب کچھ صحیح ہے، سات حروف میں اس کو پڑھنے کی اجازت دینا یہ اللہ رب العزت کی طرف سے امت کے لیے کشادگی تھی اور امت پر رحمت کا معاملہ تھا۔" (مفہوم)

(ملاحظہ فرمائیں البرہان فی علوم القرآن جلد 1 صفحہ 319)

الأحرف السبعة ٣١٩

5

أن يقرأ كلُّ قوم من العرب بلغتهم وما جرت عليه عادتهم ؛ من الإظهار والإدغام والإمالة والتفخيم والإشمام والهمز والتليين والمد ، وغير ذلك من وجوه اللغات إلى سبعة أوجه منها في الكلمة الواحدة ؛ فإن الحرف هو الطرف والوجه ؛ كما قال تعالى : ﴿ ومِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ ﴾ (الحج : ١١) أي على وجه واحد ؛ وهو أن يعبده في السرّاء دون الضّراء ؛ وهذه الوجوه هي القراءات [السّبع التي قرأها القراء][١] السبعة ؛ فإنّها كلُّها صحّت عن رسول الله ﷺ ، وهو الذي جمع عليه عثمان [في][٢] المصحف ، وهذه القراءات السبع اختيارات أولئك القراء ؛ فإن كل واحد اختار فيما روى وعلم وجهَه من القراءة ما هو الأحسن عنده والأولى ، ولزم[٣] طريقةً منها ورواها وقرأ بها ، واشتهرت عنه ونُسِبت إليه ؛ فقيل : حرف نافع ، وحرف ابن كثير . ولم يمنع واحدٌ منهم حرفَ الآخر ولا أنكرَه ، بل سوّغه وحسّنه ؛ وكلّ واحد من هؤلاء السبعة رُوِي عنه اختياران وأكثر ؛ وَكُلٌّ صحيح .

وقد أجمع المسلمون في هذه الأعصار على الاعتماد على ما صحّ عنهم ، وكان الإنزال على الأحرف السبعة توسعةً من الله ورحمة على الأمة ؛ إذ لو كُلِّفَ كل فريق منهم تركَ لغته والعدول عن عادة نشأوا عليها ؛ من الإمالة ، والهمز والتليين ، والمدّ ، وغيره لشقّ عليهم .

ويشهد لذلك ما رواه الترمذيّ عن أبيّ بن كعب أنه لَقِي رسولُ الله ﷺ جبريلَ فقال : « يا جبريل ، إنّي بُعِثْتُ إلى أمّةٍ أميين[٤] ؛ منهم العجوز ، والشيخ الكبير ، والغلام ، والجارية ، والرجل الذي لم يقرأ كتاباً قط ؛ فقال : يا محمد ، إن القرآن أنزل على سبعة أحرف »[٥] . وقال : حسن صحيح .

(١) ما بين الحاصرتين ساقط من المخطوطة .
(٢) ساقطة من المطبوعة .
(٣) في المخطوطة «فالتزم» .
(٤) في المخطوطة «أمية» .
(٥) أخرجه الترمذي في السنن ٥/ ١٩٤ ، كتاب القراءات (٤٧) ، باب ما جاء أنزل القرآن على سبعة أحرف (١١) الحديث (٢٩٤٤) ، وأخرجه أحمد في المسند ٥/ ١٣٢ وأخرجه ابن حبّان في صحيحه ٢/ ٦٠ ، كتاب الرقائق ، باب قراءة القرآن الحديث (٧٣٦) .

یہاں پر بھی وہی امام زرکشی ہیں جو قراءات سبعہ ہونے پر امت کا اجماع نقل کر رہے ہیں اور اسے امت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دے رہے ہیں جبکہ غامدی صاحب نے امام زرکشی کا یہ مؤقف آپ حضرات سے محض اس وجہ سے چھپا لیا کیونکہ اس سے انکے استشراقی مؤقف پر ضرب لگتی تھی۔ کیونکہ غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ باقی تمام کا انکار کرتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 27)

اصول و مبادی

چوتھے یہ کہ بعض حدیثوں کے مضمون سے بظاہر قرآن کے منشا میں تغیر ہو جاتا ہے۔ علما بعض مقامات پر اسے نسخ اور بعض پر تحدید و تخصیص اور تقیید وغیرہ کی اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ چیز اگر مان لی جائے تو پھر قرآن کی وہ حیثیت کس طرح تسلیم کی جا سکتی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے؟

یہی سوالات ہیں جو بالعموم اس سلسلے میں پیش کیے جاتے ہیں۔

قراءت کے اختلافات

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال ہمارے نزدیک سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔

ذیل میں ہم اپنے اس نقطۂ نظر کی تفصیل کیے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ، اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى. (الاعلیٰ ۸۷: ۶-۷)

"عنقریب (اسے) ہم (پورا) تمھیں پڑھا دیں گے تو تم نہیں بھولو گے، مگر وہی جو اللہ چاہے گا۔ وہ بے شک، جانتا ہے اُس کو بھی جو اس وقت (تمھارے) سامنے ہے اور اُسے بھی جو (تم سے) چھپا ہوا ہے۔"

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ، فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (القیامہ ۷۵: ۱۶-۱۹)

"اس (قرآن) کو جلد پا لینے کے لیے، (اے پیغمبر)، اپنی زبان کو اس پر جلدی نہ چلاؤ۔ اس کو جمع کرنا اور سنانا، یہ سب ہماری ہی ذمہ داری ہے۔ اس لیے جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو (ہماری) اس قراءت کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے کہ (تمھارے لیے اگر کہیں ضرورت ہو تو) اس کی وضاحت کر دیں۔"

ان آیتوں میں قرآن کے نزول اور اس کی ترتیب و تدوین سے متعلق اللہ تعالیٰ کی جو اسکیم بیان ہوئی ہے، وہ یہ ہے:

اولاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے کہ حالات کے لحاظ سے تھوڑا تھوڑا کر کے یہ قرآن جس طرح آپ کو دیا جا رہا ہے، اس کے دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے، لیکن اس سے آپ کو اس کی حفاظت اور جمع و ترتیب کے بارے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی جو قراءت اس کے زمانۂ نزول میں اس وقت کی جا رہی ہے، اس کے بعد اس کی ایک دوسری قراءت
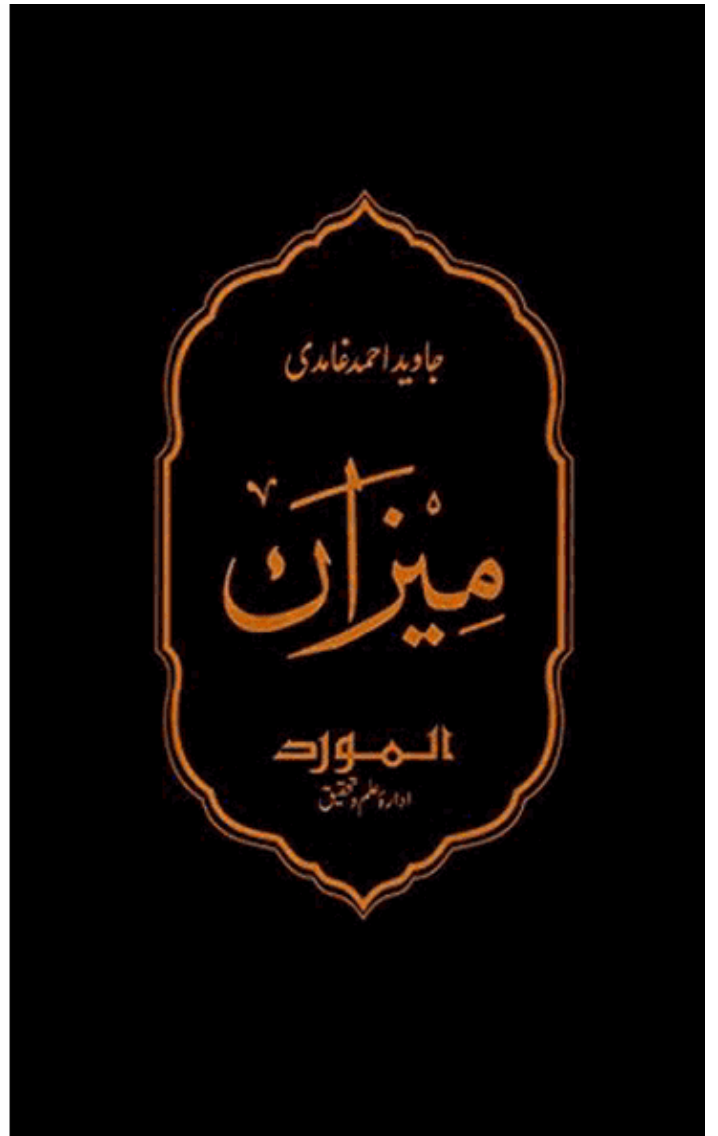
قارئین کرام! یہی امام زرکشی رحمہ اللہ اپنی اسی کتاب "البرہان" جلد 1 کے صفحہ 466 پر فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔ "قراءات سبعہ جمہور کے نزدیک متواتر ہیں"۔ امام صاحب مزید آگے لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔ "تحقیقی بات یہ ہے کہ انہی سات ائمہ سے یہ قراءات تواتر کیساتھ منقول ہیں"۔ (مفہوم)

پس جناب امام زرکشی رحمہ اللہ نے ان قرائات سبعہ کو اجماعی اور متواتر تسلیم کیا ہے۔ اب غامدی صاحب کے سٹوڈنٹس کے نزدیک یہ غور کا مقام ہے کہ غامدی صاحب نے امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب کو بطور استدلال پیش تو کیا لیکن اس میں خیانت تو کی ہی تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ امام صاحب کا اپنا عقیدہ بھی آپ حضرات سے چھپا لیا۔

ایک طرف امام زرکشی رحمہ اللہ قرائت سبعہ کو متواتر بیان کر رہے ہیں تو دوسری طرف غامدی صاحب اپنی کتاب میزان میں صرف قراءت حفص کو متواتر مانتے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)

البرہان جلد 1 کے صفحہ 466

● أحدها: أن القراءات السبع متواترة عند الجمهور، وقيل بل مشهورة[1]، ولا عبرة بإنكار المبرِّد قراءة حمزة[2] ﴿والأَرْحامِ﴾ (النساء: ١) وَ ﴿مُصْرِخيِّ﴾[3] (إبراهيم: ٢٢)، ولا بإنكار مغاربة النحاة كابن عصفور[4] قراءة ابن عامر[5] ﴿قَتْلُ أولادَهم شركائِهم﴾[6] (الأنعام: ١٣٧) والتحقيق أنها متواترة عن الأئمة السبعة، أمّا تواترها عن النبي ﷺ ففيه نظر فإنّ إسناد الأئمة السبعة بهذه القراءات السبعة موجود في كتب القراءات، وهي نقل الواحد عن الواحد لم تكمل شروط التواتر في استواء الطرفين والواسطة، وهذا شيء موجود في كتبهم، وقد أشار الشيخ شهاب الدين أبو شامة في كتابه «المرشد الوجيز»[7] إلى شيء من ذلك.

٣١٩/١

● الثاني: استثنى[8] الشيخ [أبو][9] عمرو بن الحاجب[10] قولنا: إن القراءاتِ السبعَ متواترة ما ليس من قبيل الأداء، ومثّله بالمدّ والإمالة وتخفيف الهمزة؛ يعني فإنها ليست متواترة وهذا ضعيف؛ والحقُّ أن المدّ والإمالة لا شك في تَواتر المشترك بينهما، وهو المدّ من حيث هو مدّ، والإمالة من حيث إنها إمالة، ولكن اختلف القراء في تقدير المدّ؛ فمنهم مَنْ رآه طويلاً،

---

(١) في المخطوطة (المشهور).
(٢) هو حمزة بن حبيب بن عمارة، أبو عمارة الكوفي أحد القرّاء السبعة ترجم له الزركشي ص٤٧٦.
(٣) قرأ حمزة: (والأرحام) بخفض الميم والباقون بنصبها، وقرأ ﴿بمصرخيِّ﴾ بكسر الياء وهي لغة حكاها الفرّاء وقطرب وأجازها أبو عمرو، والباقون بفتحها (الداني، التيسير ص: ٩٣ و ١٣٤).
(٤) هو علي بن مؤمن بن محمد أبو الحسن بن عصفور النحوي الإشبيلي، حامل لواء العربية في زمانه بالأندلس أخذ عن الدباج والشلوبين ولازمه مدة، وكان من أصبر الناس على المطالعة من تصانيفه «الممتع في التصريف» ت ٦٦٣ هـ (السيوطي، بغية الوعاة ٢/ ٢١٠).
(٥) هو عبدالله بن عامر اليحصبي الشامي أحد القراء السبعة، ترجم له الزركشي ص ٤٧٦.
(٦) قرأ ابن عامر «وكذلك زُيِّن» بضم الزاي وكسر الياء «قتلُ» برفع اللام «أولادَهم» بنصب الدال «شركائِهم» بخفض الهمزة والباقون بفتح الزاي ونصب اللام وخفض الدال ورفع الهمزة. (التيسير ص: ١٠٧)
(٧) المرشد الوجيز: ١٧٦ ـ ١٧٧.
(٨) في المخطوطة (استثناء).
(٩) ساقطة من المخطوطة، والصواب إثباتها.
(١٠) هو عثمان بن عمر بن أبي بكر بن يونس، أبو عمرو بن الحاجب الكردي، الإمام العلاّمة الفقيه المالكي النحوي المقرىء، حفظ القرآن وقرأه ببعض القراءات على الشاطبي وسمع «التيسير» و «الشاطبية» منه، ثم قرأ جميع القراءات على أبي الفضل الغزنوي وأبي الجود، من تصانيفه «الإيضاح في شرح المفصّل» و «شرح كتاب سيبويه» وغيرها ت ٦٤٦ هـ (ابن خلكان، وفيات الأعيان ٣/ ٢٤٨).

فیه ، و کان زید قد شهد العرضة الاخیرة — زید بن ثابتؓ بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے
و کان یقرئ الناس بھا حتی مات. — تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے تھے۔“

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے ”قراءت حفص“ کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ ”قراءت عامہ“ ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءة التی عرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیه هی القراءة التی یقرؤها الناس الیوم. — ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔“

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

”قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں ہے۔“ (تدبر قرآن ۱/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ ’سبعة احرف‘ کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول: سمعت هشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورة الفرقان — ”عبد الرحمن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

---

۱۹ ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔
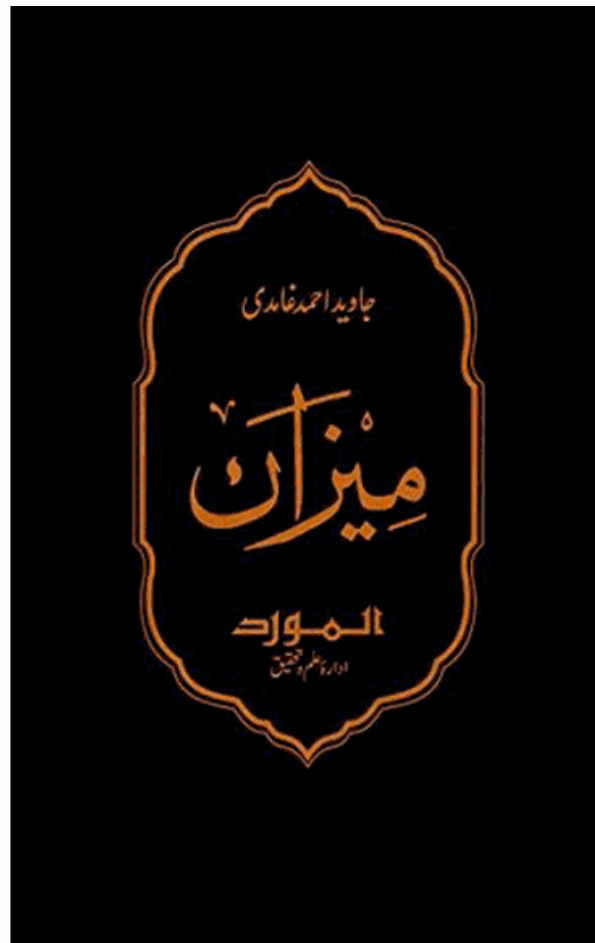
ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! غامدی صاحب نے قراءت کی بابت اپنے مؤقف کی تائید کے لیے اپنی کتاب میزان کے صفحہ 28 اور 29 پر امام زرکشی رحمہ اللہ کی کتاب البرہان سے ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا لیکن ۔۔۔۔۔۔ جو قول موصوف نے نقل کیا اسکی سند کیوں نہیں پیش کی؟

ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ تابعی ہیں اور انکی وفات 74 ہجری میں ہوئی جبکہ امام زرکشی رحمہ اللہ کی وفات 794 ہجری میں ہوئی۔ لہٰذا ابو عبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ اور امام زرکشی رحمہ اللہ کے درمیان 720 سال کا فرق ہے۔ اور جو قول غامدی صاحب نے نقل کیا وہ بلکل بغیر کسی سند کے نقل کیا۔

اب ہم غامدی صاحب اور ان کے سٹوڈنٹس سے سوال کرتے ہیں کہ۔۔۔

غامدی صاحب اپنے مخالفین کے عقائد و نظریات کی تائید میں پیش ہونے والی روایات کے لیے تو اجماع و تواتر اور حدیث کا امہات کتب میں موجود ہونے کی کڑی شرائط لگاتے ہیں لیکن جب خود کی باری آتی ہے تو پھر چاہے کوئی بھی کتاب ہو کوئی بھی روایت ہو بیشک اسکی کوئی سند بھی نہ ہو۔۔۔ تو غامدی صاحب لمحہ بھر نہیں لگاتے اور اسے اپنے مؤقف کہ تائید میں پیش کرتے اور اس سے استدلال بھی کر لیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا یہ غامدی صاحب کی دوغلی پالیسی نہیں ہے؟؟؟

تاریخ ابن کثیر ... حصہ نہم　　　　۱۹　　　　۷۴ تا ۱۲۵ ہجری کے واقعات

انہوں نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے اور ان کی صحبت بھی ملی ہے۔ ان کے علاوہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، عبداللہ بن عمر اور ام سلمہ وغیرہ سے بھی ان کی روایات منقول ہیں نیز ان سے تابعین کی ایک جماعت نے روایات نقل کی ہیں آپ کی توثیق ابن معین اور ابوزرعہ وغیرہ نے بھی کی ہے۔ ان کے حلقہ صحبت میں ابن عمر جیسے بزرگ صحابی بھی شامل تھے جو ان کی وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر بے اختیار رونا شروع کر دیتے تھے عبید بن عمیر بڑے فصیح و بلیغ تھے، اپنے وعظ کے دوران خود بھی روتے تھے یہاں تک کہ کنکریاں ان کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔

مہدی بن میمون نے غیلان بن جریر سے روایت کیا ہے کہ عبید بن عمیر جس سے مواخات کا معاملہ کرتے تھے تو اس کو لے کر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اور اس طرح دعا کرتے تھے۔ اے اللہ ہمیں نیک بخت بنا، اس رشد و ہدایت کے ذریعے جو آپ کا نبی لے کر آیا ہے اور محمد ﷺ کو ہمارے ایمان کا گواہ بنا دے اور ہمیں نیکیوں کے حصول کی توفیق عطا فرما اور دور دراز کی آرزوؤں سے اور امیدوں سے ہمیں دور رکھ، ہمارے دلوں کو نرم کر اور ناحق باتیں کہنے سے ہمیں محفوظ رکھ اور ہم تجھ سے کوئی ایسا سوال نہ کریں جس کا ہمیں علم نہ ہو۔

بخاری نے ابن جریر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ...... ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام وہب بن عبداللہ سوائی ہے، حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت کا شرف ان کو حاصل ہوا ہے انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی بلوغت سے پہلے آپ ﷺ کے انتقال کے وقت دیکھا لیکن آپ ﷺ سے کئی احادیث بیان کی ہیں، نیز حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کی ہیں۔ ابو جحیفہ سے تابعین کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، جن میں اسماعیل بن ابی خالد، حکم، سلمہ بن کہیل، شعبی اور ابو اسحاق السبیعی شامل ہیں۔ یہ کوفہ تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنا مکان بنوایا اور اسی سال یعنی ۷۴ھ میں وہاں پر ان کا انتقال ہوا۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کا انتقال ۹۴ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ کے محافظوں (باڈی گارڈ) میں سے تھے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر کھڑے ہوتے تھے تو اس وقت ابو جحیفہ ان کے منبر کے پیچھے بغرض حفاظت کھڑے رہتے تھے۔

سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ...... حضرت سلمہ بن الاکوع ابن عمرو بن سنان انصاری ہیں۔ بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے۔ ان کا شمار شہسوار اور علماء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ مدینہ منورہ میں فتویٰ بھی دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات اور اس کے بعد کی جنگوں میں شریک رہے ستر سال سے زائد عمر پائی اور مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا۔

مالک رضی اللہ عنہ بن ابی عامر ...... مالک بن رضی اللہ عنہ عامر اصبحی مدنی کہلاتے ہیں۔ یہ امام مالک بن انس کے دادا ہیں، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے اور دوسروں سے بھی روایت نقل کی ہے۔ مالک رضی اللہ عنہ عالم و فاضل تھے۔ ان کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا۔

ابو عبدالرحمٰن السلمی ...... ابو عبدالرحمٰن کا شمار اہل کوفہ کے مہمان نوازوں میں ہوتا ہے۔ ان کا نام گرامی عبداللہ بن حبیب ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سنایا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ایک بڑی جماعت سے بھی قرآن پاک سن چکے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر حجاج کی گورنری تک یہ کوفہ کے سب سے بڑے قاری شمار ہوتے تھے ان سے عاصم بن ابی النجود وغیرہ نے قرآن کریم پڑھا کوفہ میں ان کی وفات ہوئی۔

ابو معرض اسدی ...... ان کا نام نامی مغیرہ بن عبداللہ کوفی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں بھی تشریف لائے اور اس کی تعریف کی ان کے اشعار اچھے ہوتے ہیں اور یہ اقیطر تخلص کے ساتھ معروف تھے، ان کا چہرہ سرخ اور ان کے
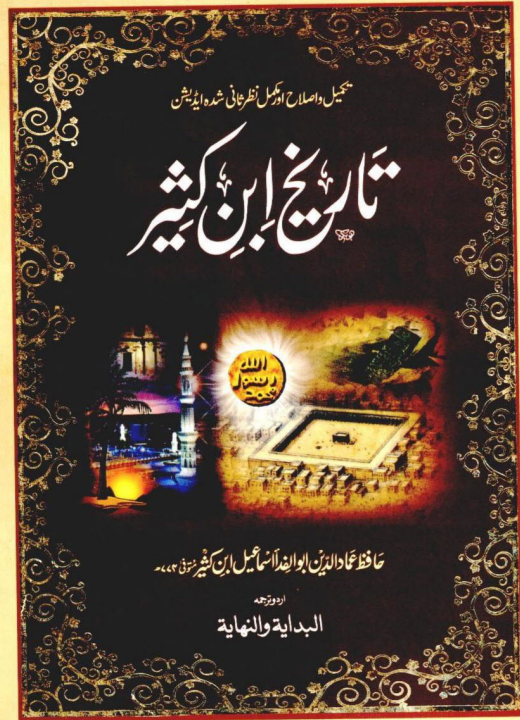
امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کی علمی خیانت

قارئین کرام! غامدی صاحب کی ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ اور امام زرکشی رحمہ اللہ کے حوالے سے انکی علمی خیانت اور دہرے معیار کی حقیقت واضح ہونے کے بعد اب ذرا امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی بابت بھی غامدی صاحب کا دھوکہ اور پھر دلیل و برہان کی روشنی میں ہمارے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

قارئین کرام! جیسا کہ آپ کو پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ہمارے ہاں قرآن مجید کی جو قراءت تلاوت کی جاتی ہے وہ روایت حفص کہلاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ عالم اسلام کے دیگر 11 سے زائد ممالک میں روایت حفص کے علاوہ دیگر قراءات تلاوت کی جاتی ہیں۔لیکن غامدی صاحب قرآن مجید کی صرف ایک قراءت کو تسلیم کرتے ہیں اس کے علاوہ بقیہ تمام قراءت انکار اوران سب کو عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔

غامدی صاحب نے اپنے اسی مؤقف کی تائید میں اپنی کتاب میزان کے صفحہ 29 پر امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، پہلے وہ قول ملاحظہ فرمائیں...... "ابن سیرین کی روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قرائت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قرائت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کررہے ہیں۔
(الاتقان، السیوطی ۱/۴۸۱)۔" (ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)

اصول و مبادی

فیہ، و کان زید قد شھد العرضۃ الاخیرۃ، و کان یقرئ الناس بھا حتی مات. (البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ... تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے ...

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے "قراءت حفص" کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ "قراءت عامہ" ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءۃ التی عرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیہ ھی القراءۃ التی یقرؤھا الناس الیوم. (الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۴)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔"

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اسی قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔" (تدبر قرآن ۱/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعۃ احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انہ قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول: سمعت ھشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورۃ الفرقان

"عبدالرحمٰن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

۱؎ ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو: المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

میزان ۲۹

قارئین کرام! ہم غامدی صاحب کی پیش کردہ اس روایت کی سند پر بعد میں بات کریں گے لیکن اس سے پہلے ہم آپ کی خدمت میں بنیادی طور پر تین گزارشات پیش کریں گے۔

غامدی صاحب نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی اس روایت سے (جو انہوں نے الاتقان، السیوطی سے پیش کی ہے) قرآن مجید کی روایت حفص کے قرآن ہونے اور بقیہ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ موصوف چونکہ حوالہ جات کی تحقیق کم اور کاپی پیسٹ زیادہ کرتے ہیں اس لیے سطحی معلومات کی بنا پر انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ اس سے انکا موٴقف ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ آیئے اب ذرا ہم آپ کے سامنے دلیل و برہان کی روشنی میں غامدی صاحب کے اس حوالے کی علمی بنیاد پر تحقیق پیش کرتے ہیں۔

قارئین کرام! حضرات مفسرین نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے قراءات میں انکی بہت سی ایسی روایات نقل کی ہیں جو روایت حفص سے بلکل مختلف ہیں لہٰذا غامدی صاحب نے اپنے پیش کردہ حوالے کو صرف روایت حفص کے قرآن ہونے اور بقیہ قراءات کے قرآن نہ ہونے پر استدلال کیسے کر لیا؟

اب بطور نمونہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے تین حوالے ملاحظہ فرمائیں جس میں انکی قراءت ہماری روایت حفص والی قراءت سے بلکل مختلف ہے۔

حوالہ نمبر 1: سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 10 کو روایت حفص میں ہم لوگ ۔۔۔۔" فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ "۔۔۔۔۔ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ حجرات کی اس آیت مبارکہ کو روایت حفص سے بلکل مختلف (بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ) کو (بَیۡنَ اِخۡوَانِکُمۡ) یعنی ن کیساتھ پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی 8 صفہ 712)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر المحرر الوجیز جلد 6 صفہ 149)

حوالہ نمبر 2: سورۃ اعراف کی آیت نمبر 34 کو روایت حفص میں ہم لوگ ۔۔۔۔۔"فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمۡ "۔۔۔۔۔۔ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ اعراف کی اس آیت مبارکہ کو روایت حفص سے مختلف اس کو (فَاِذَا جَآءَ آجَالُھم) پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد 4 صفہ 243)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر ثعلبی جلد 4 صفہ 343)

حوالہ نمبر 1 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾

''بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں پس صلح کروادو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی دین وحرمت میں بھائی بھائی ہیں، یہ رشتہ نسب میں نہیں اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: دینی اخوت نسبی اخوت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ نسبی اخوت دینی مخالفت کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور دینی اخوت نسبی مخالفت کے باوجود ختم نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لاتحاسدوا ولا تباغضوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا وکونوا عباد اللہ إخوانا(1) باہم حسد نہ کرو، باہم بغض نہ کرو، جاسوسی نہ کرو، خبر معلوم کرنے کی کوشش نہ کیا کرو باہم بھاؤ پر بھاؤ نہ کیا کرو بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ کے بندے بن جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ ''باہم حسد نہ کیا کرو، بھاؤ پر بھاؤ نہ لگایا کرو، باہم بغض نہ کیا کرو، آپس میں دشمنی نہ رکھا کرو، تم میں سے کوئی کسی کی خرید وفروخت کے معاہدہ پر معاہدہ نہ کرے بھائی بھائی بنتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بندے بن جاؤ''۔ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو بے یارو مددگار چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر جانتا ہے، تقویٰ یہاں ہے'' آپ نے تین دفعہ سینہ کی طرف اشارہ کیا ''ایک انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہے'' الفاظ مسلم کے ہیں۔

صحیحین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس پر عیب لگاتا ہے، نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے اور نہ گھر بنانے میں اس کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے کہ اس پر ہوا کو روک دے مگر اس کی اجازت سے ایسا کرتا ہے، وہ ہنڈیا کی خوشبو سے اسے اذیت نہیں دیتا مگر اس کے لیے چمچہ بھر سالن بھیجتا ہے، وہ اپنے بچوں کے لیے پھل نہ خریدے کہ وہ اسے لے کر پڑوسی کے بچوں کے پاس جائیں اور اس میں سے انہیں کوئی چیز نہ دیں'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یاد کرلو تم میں سے بہت ہی تھوڑے افراد اسے یاد رکھیں گے''۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ یعنی جن دو مسلمان افراد کے درمیان جھگڑا ہے ان میں صلح کرواؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اوس وخزرج مراد ہیں جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابو علی نے کہا: اخوین سے مراد دو طائفے ہیں کیونکہ تثنیہ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے اور مراد کثرت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ: 64) ابو عبیدہ نے کہا: یعنی دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔ اس کا صدق تمام افراد پر آتا ہے۔ ابن سیرین، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، جحدری اور یعقوب نے بین اخوتکم پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے اخوانکم پڑھا ہے

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم، جلد 2، صفحہ 317

وقرأ ابن سيرين وزيد بن ثابت وابن مسعود والحسن وعاصم الجحدري وحماد بن سلمة: «بين إخوانكم». وهي حسنة. لأن الأكثر من جمع الأخ في الدين ونحوه من النسب إخوان. والأكثر في جمعه من النسب إخوة وإخاء. قال الشاعر: [الطويل]

وجدتم أخاكم دوننا إذ نسيتم ... وأي بني الإخاء تنبو مناسبه

وقد تتداخل هذه الجموع في كتاب الله. فمنه: ﴿إنما المؤمنون إخوة﴾ أو بيوت إخوانكم فهذا جاء على الأقل من الاستعمال.

قوله عز وجل:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ ۖ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿١١﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا۟ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾

هذه الآيات والتي بعدها نزلت في خلق أهل الجاهلية. وذلك لأنهم كانوا يجرون مع الشهوات نفوسهم لم يقومهم أمر من الله ولا نهي. فكان الرجل يسطو ويهمز ويلمز وينبز بالألقاب ويظن الظنون. فيتكلم بها. ويغتاب ويفتخر بنسبه إلى غير ذلك من أخلاق النفوس البطالة. فنزلت هذه الآية تأديباً لأمة محمد صلى الله عليه وسلم. وذكر بعض الناس لهذه الآيات أسباباً. فمما قيل: إن هذه الآية: ﴿لا يسخر قوم﴾ نزلت بسبب عكرمة بن أبي جهل وذلك أنه كان يمشي بالمدينة مسلماً، فقال له قوم: هذا ابن فرعون هذه الأمة، فعز ذلك عليه وشكاه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

وقال القاضي أبو محمد: والقوي عندي أن هذه الآية نزلت تقويماً كسائر أمر الشرع ولو تتبعت الأسباب لكانت أكثر من أن تحصى.

و: ﴿يسخر﴾ معناه: يستهزىء. والهزء إنما يترتب متى ضعف امرؤ إما لصغر وإما لعلة حادثة، أو لرزية أو لنقيصة يأتيها، فنهي المؤمنون عن الاستهزاء في هذه الأمور وغيرها نهياً عاماً، فقد يكون ذلك المستهزأ به خيراً من الساخر، والقوم في كلام العرب: واقع على الذكران، وهو من أسماء الجمع: كالرهط والنفر. وقول من قال: إنه من القيام أو جمع قائم ضعيف، ومنه قول الشاعر وهو زهير: [الوافر]

وما أدري وسوف إخال أدري ... أقوم آل حصن أم نساء

وهذه الآية أيضاً تقتضي اختصاص القوم بالذكران، وقد يكون مع الذكران نساء فيقال لهم قوم على تغليب حال الذكور، ثم نهى تعالى النساء عمّا نهى عنه الرجال من ذلك.

حوالہ نمبر 2 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

ہے اور خمر پر بھی اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ اور بغی کا معنی ظلم میں تجاوز کرنا (اور حد سے بڑھنا ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی فساد ہے۔

3

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

''اور ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے، سو جب آ جائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک لحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں''۔

اس میں ایک مسئلہ ہے:

مسئلہ نمبر 1۔ قولہ تعالیٰ: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ یعنی ہر امت کے لیے ایک وقت ہے جو مقرر کر دیا گیا ہے۔ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ یعنی جب ان کا وہ وقت آ جائے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں معلوم اور معین ہے۔

ابن سیرین نے صیغہ جمع کے ساتھ جاء اٰجالهم پڑھا ہے۔ لَا يَسْتَأْخِرُونَ تو نہ وہ اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ایک لحہ سے کم، مگر یہ خاص طور پر ساعت کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ اوقات کے اسماء میں سے اُقل اور کم یہی ہے اور یہ ظرف زمان ہے۔

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ (اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں) تو یہ اس پر دلیل ہے کہ مقتول اپنا مقررہ وقت آنے پر ہی قتل کیا جاتا ہے۔ اور أجل الموت سے مراد موت کا مقررہ وقت ہے، جیسے اجل الدین قرض کی ادائیگی کا مقررہ وقت ہے۔ اور ہر وہ شی جس کے ساتھ کسی شی کو موقت کر دیا جائے تو وہی اس کے لیے اُجل ہوتی ہے۔ اور انسان کی اُجل سے مراد وہ خاص وقت ہے جس کے بارے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ لامحالہ اس وقت خاص میں زندہ آدمی مر جائے گا۔ اور یہ وہ وقت ہے جس سے اس کی موت کا موخر ہونا جائز نہیں ہوتا، اس حیثیت سے نہیں کہ اس کی تاخیر مقدر نہیں۔ اور بہت سے معتزلہ نے کہا ہے سوائے اس کے جس نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی ہے: بے شک مقتول اپنے اس مقرر وقت سے پہلے مر جاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور یہ کہ اگر وہ قتل نہ کیا جاتا تو وہ ابھی زندہ رہتا۔ یہ غلط ہے، کیونکہ مقتول اس وجہ سے نہیں مرا کہ دوسرے نے اسے قتل کیا ہے، بلکہ اس وجہ سے اسے موت آئی ہے) جو فعل اللہ تعالیٰ نے اس کی جان ختم کرنے کے بارے اس وقت کیا جب اسے ضرب لگی۔ پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر وہ اپنے مقررہ وقت پر مرا ہے تو پھر اس کے قاتل کو قتل کیوں کیا جاتا ہے اور اس سے قصاص کیوں لیا جاتا ہے؟ تو جواب یہ دیا جائے گا: ہم اسے اس لیے قتل کرتے ہیں کہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے اور اس نے ایسا تصرف کیا ہے جس میں اسے تصرف کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا، اس کا سبب مقتول کی موت اور اس کے جسم سے روح کا نکلنا نہیں، کیونکہ یہ اس (قاتل) کا فعل نہیں۔ اگر وہ لوگوں کو اور اس کی اس تعدی اور زیادتی کو بغیر قصاص کے چھوڑ دے تو بالیقین یہ فساد اور لوگوں کو ہلاکتوں تک پہنچا دے۔ یہ بالکل واضح اور بین ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا

3
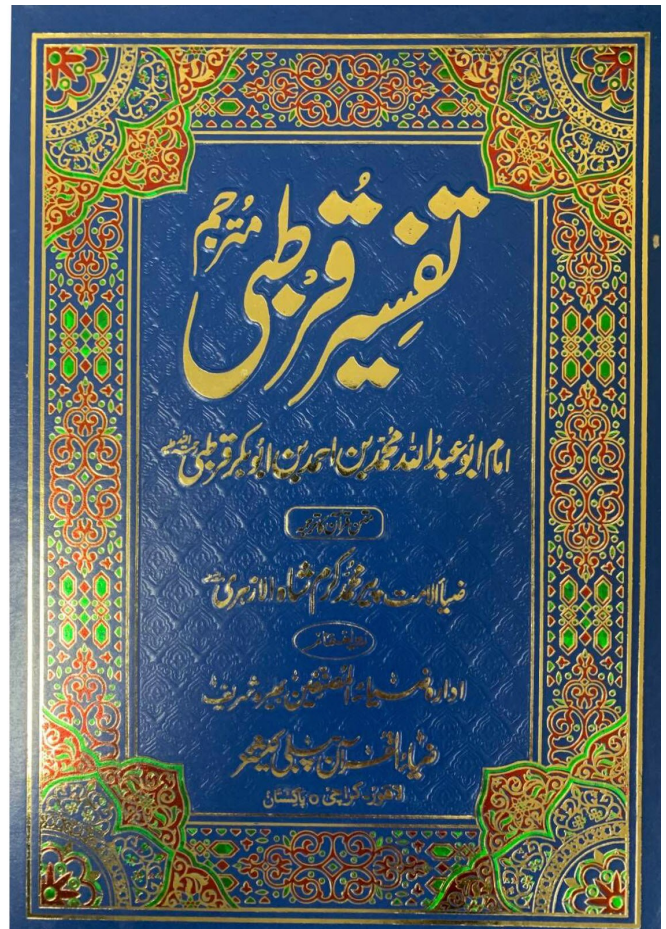
وقال الآخر:

نشرب الإثم بالصُّواع جهارًا
وترى المُتْكَ[١] بيننا مستعارا[٢]

﴿وَالْبَغْيَ﴾ الظلم والكبر ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ حجة وبرهانًا ﴿وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ في تحريم المآكل، والمشارب[٣].

٣٤ ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾

مدّة وأجل، وقيل: وقت في حلول العقاب، ونزول العذاب.

﴿فَإِذَا﴾ انقطع أجلهم، و﴿جَاءَ أَجَلُهُمْ﴾ وقرأ ابن سيرين: آجالهم[٤] ﴿لَا يَسْتَأْخِرُونَ﴾ لايتأخّرون ﴿سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ يتقدّمون.

٣٥ قوله تعالىٰ: ﴿يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ﴾

شرط معناه: إن أتاكم، وجوابه فمن اتقىٰ، وقيل: فأطيعوه، وقال مقاتل: أراد بقوله يابني آدم مشركي العرب، وبالرسل محمدا ﷺ

---

(١) المُتْك: الأُتْرُجّ.
انظر: «لسان العرب» لابن منظور١٠/ ٤٨٥ (متك).

(٢) ذكره الماوردي في «النكت والعيون» ٣/ ٣٢ ولم ينسبه لأحد، ولم أجده حسب بحثي واطلاعي عند غيره.

(٣) في (ت): الملابس والمآكل. وفي (س): المآكل والملابس.

(٤) ذكره الزمخشري في «الكشاف» ٢/ ٤٤٠، وابن عطية في «المحرر الوجيز» ٢/ ٣٩٥ كلاهما عنه، وهي: قراءة شاذة.
انظر: «المحتسب» لابن جني ١/ ٢٤٦.

نوٹ: ذیل میں امام زمخشری کی تفسیر الکشاف کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں سورۃ اعراف آیت 34 کی روایت حفص کے علاوہ کسی اور قراءت میں لکھا گیا ہے۔ یہ وہی تفسیر الکشاف ہے جس کو غامدی صاحب تفاسیر کی امہات کتب میں شمار کرتے ہیں۔ **(ملاحظہ فرمائیں تفسیر الکشاف صفحہ 362)**

4

الدواء، وأعط كل بدن ما عوّدته[1]، فقال النصراني: ما ترك كتابكم ولا نبيكم لجالينوس طبًا.

قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده والطيبات من الرزق قل هي للذين آمنوا في الحياة الدنيا خالصة يوم القيامة كذلك نفصل الآيات لقوم يعلمون ﴿٣٢﴾.

﴿زينة الله﴾ من الثياب وكل ما يتجمل به ﴿والطيبات من الرزق﴾ المستلذات من المآكل والمشارب، ومعنى الاستفهام في ﴿من﴾ إنكار تحريم هذه الأشياء، قيل: كانوا إذا أحرموا حرّموا الشاة وما يخرج منها من لحمها وشحمها ولبنها ﴿قل هي للذين آمنوا في الحياة الدنيا﴾ غير خالصة لهم؛ لأنّ المشركين شركاؤهم فيها ﴿خالصة﴾ لهم ﴿يوم القيامة﴾ لا يشركهم فيها أحد.

فإن قُلْتَ: هلا قيل هي للذين آمنوا ولغيرهم؟ قُلْتُ: لينبه على أنها خلقت للذين آمنوا على طريق الأصالة وأن الكفرة تبع لهم كقوله تعالى: ﴿ومن كفر فأمتعه قليلاً ثم أضطره إلى عذاب النار﴾[2] وقرئ: خالصة بالنصب على الحال، وبالرفع على أنها خبر بعد خبر.

قل إنما حرم ربي الفواحش ما ظهر منها وما بطن والإثم والبغي بغير الحق وأن تشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانا وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون ﴿٣٣﴾.

﴿الفواحش﴾ ما تفاحش قبحه أي: تزايد وقيل: هي ما يتعلق بالفروج ﴿والإثم﴾ عام لكل ذنب، وقيل: شرب الخمر ﴿والبغي﴾ الظلم والكبر أفرده بالذكر كما قال: ﴿وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي﴾[3] ﴿ما لم ينزل به سلطانًا﴾[4] فيه تهكم؛ لأنه لا يجوز أن ينزل برهانًا بأن يشرك به غيره ﴿وأن تقولوا على الله﴾ وأن تتقوّلوا عليه وتفتروا الكذب من التحريم وغيره.

ولكل أمة أجل فإذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون ﴿٣٤﴾.

﴿ولكل أمة أجل﴾ وعيد لأهل مكة بالعذاب النازل في أجل معلوم عند الله كما نزل بالأمم. وقرئ: فإذا جاء آجالهم، وقال: ﴿ساعة﴾؛ لأنها أقل الأوقات في استعمال الناس يقول المستعجل لصاحبه: في ساعة يريد أقصر وقت وأقربه.

يا بني آدم إما يأتينكم رسل منكم يقصون عليكم آياتي فمن اتقى وأصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون ﴿٣٥﴾ والذين كذبوا بآياتنا واستكبروا عنها أولئك أصحاب النار هم فيها خالدون ﴿٣٦﴾.

﴿إمّا يأتينكم﴾ هي: إن الشرطية ضمت إليها ما مؤكدة لمعنى الشرط، ولذلك لزمت فعلها النون الثقيلة أو الخفيفة.

فإن قُلْتَ: فما جزاء هذا الشرط قُلْتُ: الفاء وما بعده من الشرط والجزاء، والمعنى: فمن اتقى وأصلح منكم والذين كذبوا منكم، وقرئ: تأتينكم بالتاء.

فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا أو كذب بآياته أولئك ينالهم نصيبهم من الكتاب حتى إذا جاءتهم رسلنا يتوفونهم قالوا أين ما كنتم تدعون من دون الله قالوا ضلوا عنا وشهدوا على أنفسهم أنهم كانوا كافرين ﴿٣٧﴾.

﴿فمن أظلم﴾ فمن أشنع ظلمًا ممن تقول على الله ما لم يقله أو كذب ما قاله ﴿أولئك ينالهم نصيبهم من الكتاب﴾ أي: مما كتب لهم من الأرزاق والأعمار ﴿حتى إذا جاءتهم رسلنا﴾ حتى غاية لنيلهم نصيبهم واستيفائهم له أي: إلى وقت وفاتهم وهي: حتى التي يبتدأ بعدها الكلام، والكلام ههنا الجملة الشرطية وهي: إذا جاءتهم رسلنا قالوا و ﴿يتوفونهم﴾ حال من الرسل أي: متوفيهم، والرسل ملك الموت وأعوانه. وما وقعت موصولة بأين في خط المصحف، وكان حقها أن تفصل؛ لأنها موصولة بمعنى: أين الآلهة الذين تدعون ﴿ضلوا عنا﴾ غابوا عنا فلا نراهم ولا ننتفع بهم اعترافًا منهم بأنهم لم يكونوا على شيء فيما كانوا عليه وأنهم لم يحمدوه في العاقبة.

قال ادخلوا في أمم قد خلت من قبلكم من الجن والإنس في النار كلما دخلت أمة لعنت أختها حتى إذا اداركوا فيها جميعا قالت أخراهم لأولاهم ربنا هؤلاء أضلونا فآتهم عذابا ضعفا من النار قال لكل ضعف ولكن لا تعلمون ﴿٣٨﴾ وقالت أولاهم لأخراهم فما كان لكم علينا من فضل فذوقوا العذاب بما كنتم تكسبون ﴿٣٩﴾.

﴿قال ادخلوا﴾ أي: يقول الله تعالى يوم القيامة: لأولئك الذين قال فيهم ﴿فمن أظلم ممن افترى على الله كذبًا أو كذب بآياته﴾[5] وهم كفار العرب ﴿في أمم﴾ في موضع الحال أي: كائنين في جملة أمم وفي غمارهم مصاحبين له أي: ادخلوا في النار مع أمم ﴿قد خلت من قبلكم﴾ وتقدّم زمانهم زمانكم ﴿لعنت أختها﴾ التي ضلت بالاقتداء بها ﴿حتى إذا اداركوا فيها﴾ أي: تداركوا بمعنى: تلاحقوا واجتمعوا في النار ﴿قالت أخراهم﴾ منزلة وهي الأتباع والسفلة ﴿لأولاهم﴾ منزلة وهي القادة والرؤس، ومعنى: لأولاهم لأجل أولاهم؛ لأنّ خطابهم مع الله لا معهم

(1) قال الزيلعي، غريب جدًا 1/460.

(2) سورة البقرة، الآية: 126.

(3) سورة النحل، الآية: 90.

(4) قال أحمد: وإنما يعني: التهكم منه؛ لأنّ الكلام جرى مجرى ما له سلطان، إلا أنه لم ينزل؛ لأنه إنما نفى تنزيل السلطان به، ولم= ينف أن يكون به سلطان، وكان أصل الكلام، وأن تشركوا بالله ما لا سلطان به، فينزل، فيكون على طريقة. على لا حب، لا يهتدي بمناره.

(5) سورة الأنعام، الآية: 37.

حوالہ نمبر 3: سورۃ اعراف کی آیت نمبر 40 کو روایت حفص میں ہم لوگ ۔۔۔۔۔ "فِي سَمِّ الْخِيَاطِ" ۔۔۔ یعنی کہ "س" کو زبر کیساتھ پڑھتے ہیں جبکہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ سورۃ اعراف کی اس آیت مبارکہ روایت حفص سے مختلف اس کو (فِي سُمِّ الْخِيَاطِ) یعنی کہ "س" کو پیش کیساتھ پڑھتے تھے۔

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی جلد 4 صفحہ 249)

(ملاحظہ فرمائیں تفسیر سمعانی جلد 2 صفحہ 182)

حوالہ نمبر 3 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

تکریر کے لیے ہوتی ہے کسی اور کے لیے نہیں (اور تکریر کا معنی ہوتا ہے یکے بعد دیگرے بار بار کوئی کام کرنا) اور یہاں ... اولیٰ ہے، کیونکہ یہ کثیر پر زیادہ دلالت کرتی ہے۔ اور الجمل ابل (اونٹ) میں سے ہے۔ فراء نے کہا ہے: ج... الناقة(1) (نر اونٹ کو کہتے ہیں)۔

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا(2) جب ان سے اونٹ (جمل) کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ زوج الناقه ہے۔ گویا جس نے آپ سے اس کے بارے پوچھا اس نے ایسی چیز سے جہالت اور ناواقفی کا اظہار کیا جسے تمام لوگ جانتے ہیں۔ اور اس کی جمع جمال، اجمال، جمالات اور جمائل ہے۔ اور اسے جمل کا نام دیا جاتا ہے جب کہ یہ چوپایہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے: حتی یلج الجملُ الأصفر فی سمّ الخیاط اسے ابوبکر انباری نے ذکر کیا ہے، سند اس طرح ہے حدثنا ابی حدثنا نصر بن داؤد حدثنا ابو عبید حدثنا حجاج عن ابن جریج عن ابن کثیر عن مجاهد قال فی قرأة عبد الله ...... اور آگے ذکر کیا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الجُمَّل جیم کو ضمہ کے ساتھ اور میم کو فتحہ اور شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد کشتی کی وہ رسی ہے جسے قلس کہا جاتا ہے اور اس سے مراد وہ رسیاں ہیں جو اکٹھی ہوں، یہ جملة کی جمع ہے، یہ احمد بن یحییٰ ثعلب نے کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس سے مراد وہ موٹی رسی ہے(3) جو قنب کی چھال سے بنائی گئی ہو۔ اور یہ قول بھی ہے: وہ رسی جس کے ساتھ کھجور کے درخت پر چڑھا جاتا ہے وہ مراد ہے۔

اور ان سے بھی اور حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے: الجُمل جیم کے ضمہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ اور اس کا معنی بھی کشتی کی موٹی رسی اور مطلق رسی ہے، جیسے ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور ان سے الجُمُل جیم اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ یہ جمل کی جمع ہے، جیسے أسد اور أُسُد ہے۔ اور الجُمُل مثلاً أسَدٌ اور أُسُد ہے۔ اور ابو السمال سے الجَمْل جیم کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ مروی ہے۔ یہ جمل کی تخفیف ہے۔

اور سَمِّ الْخِيَاطِ کا معنی سوئی کا سوراخ ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ اور بدن میں ہر باریک سوراخ سَما اور سِما کہلاتا ہے۔ اور اس کی جمع سموم ہے۔ اور السمّ القاتل (قتل کرنے والا زہر) کی جمع سمام آتی ہے۔ اور ابن سیرین نے فی سُم سین کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور الخیاط وہ سوئی جس کے ساتھ کپڑا سیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: خِیاط و مِخْیَط جیسے إزار و مِئزر اور قِناع و مِقْنع اور مِهاد، فراش (بچھونا) کو کہتے ہیں۔ اور غواش، غاشیة کی جمع ہے، یعنی وہ آگ جو انہیں ڈھانپ لے گی۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی ہم کافروں کو اسی طرح کا بدلہ دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی

1۔ تفسیر طبری، جلد 2، صفحہ 211 — 2۔ تفسیر کشاف، جلد 2، صفحہ 104 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 8، صفحہ 214
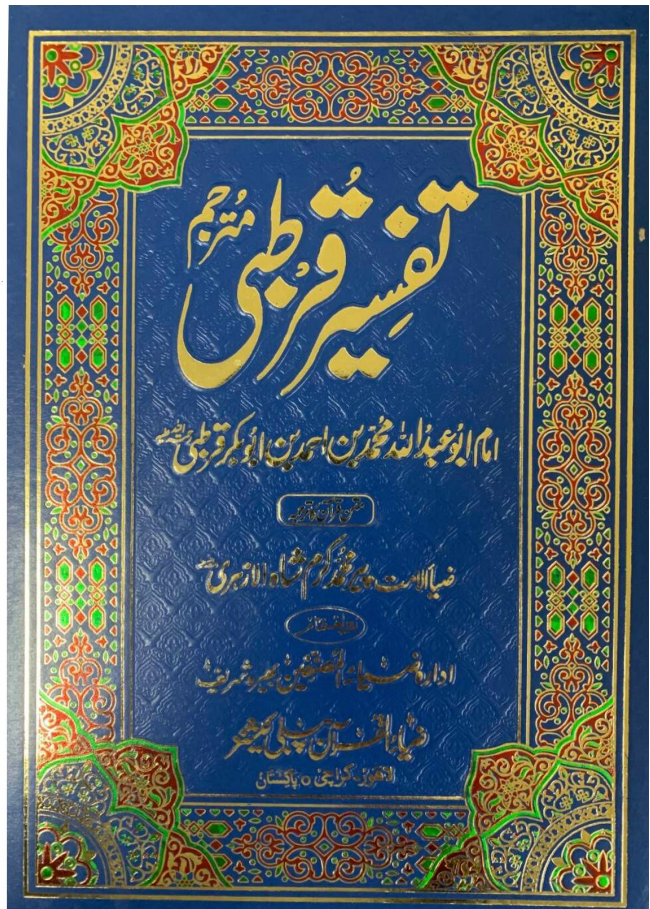
﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ

وقيل: معناه: لاتفتح لهم أبواب الجنة، لكن عبر عنها بأبواب السما... الجنة فى السماء.

﴿ ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط ﴾ وقرأ ابن عباس: «يلجُ الجُمّل» برفع الجيم وتشديد الميم، وقرأ سعيد بن جبير: «حتى يلجُ الجمل» برفع الجيم مخففة الميم، وقرأ ابن سيرين: «فى سُم الخياط» برفع السين، والمعروف ﴿ حتى يلجَ الجَمَلُ فى سَمِّ الخِيَاط ﴾ وهو الجمل المعروف، وسئل ابن مسعود عن هذا الجمل فقال: هو زوج الناقة، كأنه استحمق السائل حين سأله عما لايخفى، ويحكى عن الحسن أنه قال: هو الأشطر الذى عليه جولقان أسودان، وأما الجمل الذى قرأه ابن مسعود: فهو قلس السفينة، وأما الجمل بالتخفيف، قيل: هو أيضا قلس السفينة، وقيل: هو حبل السفينة، وأما السُم والسَم واحد، وهو ثقبة المخيط، والمراد بالآية: تأكيد منع دخولهم الجنة، وذلك سائر فى كلام العرب، وهو مثل قولهم: لا افعل كذا حتى يشيب الغراب، وحتى يبيض القار، وقال الشاعر:

إذا شاب الغرابُ أتيتُ أهلى — وصــارَ القارُ كاللبنِ الحليب

والقار والقير: شيء أسود، يضرب به المثل، يقال: شيء كالقير والقار فى السواد ﴿ وكذلك نجزى المجرمين ﴾.

قوله – تعالى –: ﴿ لهم من جهنم مهاد ﴾ أى: فرش ﴿ ومن فوقهم غواش ﴾ أى: لحف وهذا مثل قوله: ﴿ لهم من فوقهم ظلل من النار ومن تحتهم ظلل ﴾(١).

قال سيبويه – رحمه الله –: التنوين فى قوله ﴿ غواش ﴾ غير أصلى، وإنما هو بدل عن الياء، وأصله: «غواشي» ومثله كثير ﴿ وكذلك نجزى الظالمين ﴾.

﴿ والذين آمنوا وعملوا الصالحات لانكلف نفسا إلا وسعها ﴾ أى: طاقتها ﴿ أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون ﴾.

(١) الزمر: ١٦.
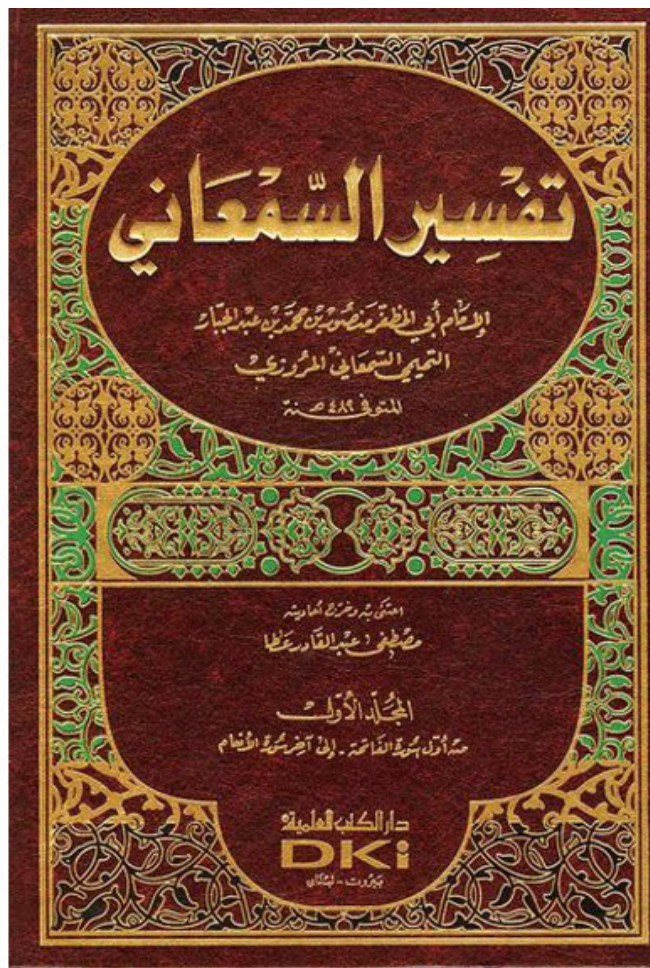
قارئین کرام! ہم نے آپ کے سامنے مکمل ثبوت کیساتھ اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ روایت حفص کے علاوہ دوسری قراءت میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے جبکہ غامدی صاحب امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ گویا امام ابن سیرین رحمہ اللہ بھی ایک ہی قراءت کے قائل تھے۔

غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس واضح دیکھ سکتے ہیں کہ غامدی صاحب کے اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کیے جانے والے دلائل اور ان کے استدلال میں کس قدر تضاد ہے۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ روایت حفص کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو پڑھتے تھے اور غامدی صاحب ان کی طرف بے سند قول نقل کر کے عوام الناس کو یہ باور کروانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ گویا امام ابن سیرین رحمہ اللہ بھی غامدی صاحب کی طرح ایک ہی قراءت کے قائل تھے۔۔۔کیا غامدی صاحب کی طرف سے دیا جانے والا یہ دھوکہ علمی خیانت میں شمار ہوگا یا نہیں؟

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی روایت کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی قراءت کی بابت غامدی صاحب کی علمی خیانت کے واضح ہو جانے کے بعد اب ذرا غامدی صاحب کا اس حوالے سے دہرا معیار بھی ملاحظہ فرمائیں۔ غامدی صاحب نے الاتقان السیوطی کتاب سے امام ابن سیرین رحمہ اللہ سے ایک روایت نقل کی لیکن اس روایت کی سند کو موصوف نے بلکل بھی پیش نہیں کیا۔ چونکہ غامدی صاحب کے حلقہ کے لوگ انہیں اور انکی تحقیق کو حرف آخر سمجھتے ہیں تو غامدی صاحب نے بھی شاید اسی کا فائدہ اٹھایا۔ آیئے پہلے غامدی صاحب کی پیش کردہ اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں..... "ابن سیرین کی روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قرائت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قرائت ہے جس کے مطابق لوگ اِس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں "۔ (الاتقان، السیوطی ۱/۴۸۱)"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 29)

قارئین کرام! یہ تھی وہ روایت جس کو غامدی صاحب نے نقل کیا اب آیئے اس کی سند کے متعلق بھی حقیقت جانیے۔

غامدی صاحب کی پیش کردہ روایت ''مصنف ابن ابی شیبہ جلد 8 صفحہ 840 روایت نمبر 30922 '' ہے۔ اس میں امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے حضرت عَبِیدہ رحمہ اللہ سے۔ یہ حضرت ''عَبِیدہ رحمہ اللہ'' امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے استاد ہیں اور یہ تابعی ہیں اور جب یہ (عَبِیدہ رحمہ اللہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے قراءت کی حدیث نقل کر رہے ہیں تو درمیان میں صحابی رسول کا ایک واسطہ اس روایت میں موجود نہیں ہے جو کہ ہونا ضروری تھا، جس کی وجہ سے اس حدیث کی سند آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک متصل نہیں۔

فیہ ، و کان زید قد شہد العرضۃ الاخیرۃ و کان یقرئ الناس بہا حتی مات.

زید بن ثابتؓ بھی موجود تھے۔ دنیا سے رخصت ہونے تک وہ لوگوں کو اسی کے مطابق قرآن پڑھاتے

(البرہان، الزرکشی ۱/۳۳۱)

چنانچہ صحابۂ کرام کے زمانے سے لے کر آج تک مسلمانوں کا قولی تواتر صرف اسی قراءت کو حاصل ہے۔ ہمارے علما اسے "قراءت حفص" کہتے ہیں، دراں حالیکہ یہ "قراءت عامہ" ہے اور سلف، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، اس کا تعارف بالعموم اسی مفہوم کے الفاظ سے کراتے تھے۔ ابن سیرین کی روایت ہے:

القراءۃ التی عرضت علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی العام الذی قبض فیہ ہی القراءۃ التی یقرؤہا الناس الیوم.

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے سال جس قراءت پر قرآن سنایا گیا، یہ وہی قراءت ہے جس کے مطابق لوگ اس وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔"

(الاتقان، السیوطی ۱/۱۸۳)

قرآن مجید پر اگر اس کے نظم کی روشنی میں تدبر کیا جائے تو اس کے داخلی شواہد بھی پوری قطعیت کے ساتھ یہی فیصلہ سناتے ہیں۔ مدرسۂ فراہی کے اکابر اہل علم نے جو کام اس زمانے میں قرآن پر کیا ہے، اس سے یہ بات بالکل مبرہن ہو جاتی ہے کہ قرآن کا متن اس کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" میں کوئی شخص اگر چاہے تو اس کی مثالیں جگہ جگہ دیکھ سکتا ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"قراءتوں کا اختلاف بھی اس تفسیر میں دور کر دیا گیا ہے۔ معروف اور متواتر قراءت وہی ہے جس پر یہ مصحف ضبط ہوا ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اس قراءت میں قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کی تاویل لغت عرب، نظم کلام اور شواہد قرآن کی روشنی میں اس طرح ہو جاتی ہے کہ اس میں کسی شک کا احتمال باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ میں نے ہر آیت کی تاویل اسی قراءت کی بنیاد پر کی ہے اور میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اس کے سوا کسی دوسری قراءت پر قرآن کی تفسیر کرنا اس کی بلاغت، معنویت اور حکمت کو مجروح کیے بغیر ممکن نہیں۔" (تدبر قرآن ۸/۸)

یہاں ہو سکتا ہے کہ 'سبعۃ احرف' کی روایت بھی بعض لوگوں کے لیے الجھن کا باعث بنے۔ موطا میں یہ روایت اس طرح بیان ہوئی ہے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انہ قال: سمعت عمر بن الخطاب یقول: سمعت ہشام بن حکیم بن حزام یقرأ سورۃ الفرقان

"عبد الرحمن بن عبد القاری کی روایت ہے کہ عمر بن الخطاب نے میرے سامنے فرمایا کہ ہشام بن حکیم بن حزام کو میں نے سورۂ فرقان اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے

ؓ ان کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ بھی، یقیناً اس موقع پر موجود رہے ہوں گے۔ چنانچہ سیدنا عبد اللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہی بات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو المعجم الکبیر، الطبرانی، رقم ۱۲۹۰۲۔

(٣٠٩٢١) حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُلَيٍّ ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: أَمْسَكْت عَلَى فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ الْقُرْآنَ حَتَّى فَرَغَ مِنْهُ.

(۳۰۹۲۱) حضرت موسیٰ بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ: میں حضرت فضالہ بن عبید کے پاس ان کا قرآن سننے کے لیے اس وقت تک ٹھہرا جب تک انہوں نے اسے مکمل نہ کر لیا۔

(٣٠٩٢٢) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ ، وَعَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، عَنْ عَبِيدَةَ ، قَالَ: الْقِرَائَةُ الَّتِي عُرِضَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ هِيَ الْقِرَائَةُ الَّتِي يَقْرَؤُهَا النَّاسُ الْيَوْمَ.

(۳۰۹۲۲) حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عبیدہ نے ارشاد فرمایا: وہ قراءت جو نبی ﷺ کے ان کے انتقال والے سال پڑھی گئی تھی یہ وہی قراءت تھی جو لوگ آج پڑھتے ہیں۔

(٣٠٩٢٣) حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ ، عَنْ زَائِدَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ ، قَالَ: كَانَ جِبْرِيلُ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً فِي رَمَضَانَ ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ عَرَضَهُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ.

(بخاری ۳۶۲۴۔ مسلم ۱۹۰۵)

(۳۰۹۲۳) حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ حضرت ابن سیرین نے ارشاد فرمایا: حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ پس جب وہ سال آیا جس میں نبی ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ علیہ السلام نے دو مرتبہ قرآن کا دور فرمایا۔

(٣٠٩٢٤) حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ ، عَنْ فِرَاسٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَائِشَةَ ، عَنْ فَاطِمَةَ ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِضُ الْقُرْآنَ عَلَى جِبْرِيلَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ عَرَضَهُ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ.

(۳۰۹۲۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہر سال میں ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ پس جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ دو مرتبہ دور فرمایا۔

(٦٩) ما جاء فِي فضلِ المفصّلِ

ان روایات کا بیان جو مفصل سورتوں کی فضیلت میں آئی ہیں

(٣٠٩٢٥) حَدَّثَنَا عَفَّانُ ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ ، عَنْ عَاصِمٍ ، عَنْ أَبِي الأَحْوَصِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ: لِكُلِّ شَيْءٍ لُبَابٌ وَإِنَّ لُبَابَ الْقُرْآنِ الْمُفَصَّلُ.
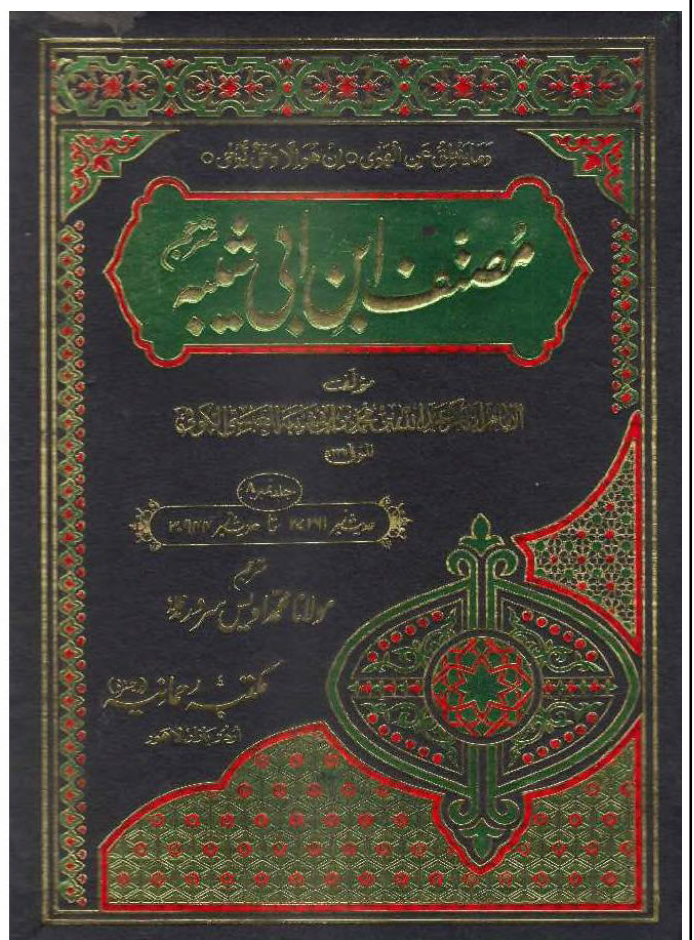
غامدی صاحب ویسے تو کسی حدیث کو قبول کرنے کے لیے اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق تواتر کی شرط لگاتے ہیں جبکہ یہاں پر تواتر تو دور کی بات ہے حدیث کی سند ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تک متصل نہیں ہے۔ تو اب پھر یہ روایت غامدی صاحب کے لیے قابل استدلال کیسے ہوگئی؟

کیا غامدی صاحب اور انکے سٹوڈنٹس ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ غامدی صاحب کے اپنے ہی منہج اور استدلال میں تضاد اور دہرا معیار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

غامدی صاحب کی تحقیق کا عالم یہ ہے کہ جناب اصل حوالہ پیش کرنے کی بجائے دوسرے درجے (Second Source) کا حوالہ نقل کرتے ہیں جو کہ تحقیق کے طے شدہ اصول کے بھی خلاف ہے۔ ہمیشہ پہلے اصل حوالہ نقل کیا جاتا ہے پھر اس کی موجودگی میں دوسرے درجے کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے لیکن غامدی صاحب ڈائریکٹ کاپی پیسٹ کرنے کی وجہ سے دوسرے درجہ کا حوالہ نقل کر دیتے ہیں۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی یہ روایت جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث نمبر 30922 میں موجود ہے اور امام ابن سیرین رحمہ اللہ کی وفات 110ھ میں ہوئی۔

غامدی صاحب نے امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے اس قول کا حوالہ، امام سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب (الاتقان) سے دیا ہے جنکی وفات 911ھ میں ہوئی۔ غامدی صاحب دسویں صدی کے امام سیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ دے رہے ہیں جو کہ دوسرے درجہ یعنی کہ (Second Source) ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ کتاب کے موجود ہونے کے باوجود دسویں صدی کے امام کی کتاب کا حوالہ دینا غامدی صاحب کا تحقیقی اصول سے ناواقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار

قارئین کرام! ابھی تک آپ کے سامنے قراءات قرآن، احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کی بابت غامدی صاحب کا دہرا معیار اور علمی خیانت کو دلیل و برہان کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اب اس میں مزید امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق بھی غامدی صاحب کا دہرا معیار ملاحظہ فرمائیں......

غامدی صاحب اپنی کتاب میزان کے صفحہ 31 پر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی بابت امام لیث بن سعد کے خط کے حوالے سے قراءت کے اختلافات کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔"اس طرح کہ اہم معاملات میں ان کی (ابن شہاب زہری۔ ناقل) کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔"

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 31)

1

اصول و مبادی

دوم یہ کہ اس کی واحد معقول توجیہ اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہی ہو سکتی تھی کہ 'سبعة احرف' کو اس میں عربوں کے لغات اور لہجوں پر محمول کیا جائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روایت کا متن ہی اس کی تردید کر دیتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہشام اور عمر فاروق، جن دو بزرگوں کے مابین اختلاف کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، دونوں قریشی ہیں جن میں ظاہر ہے کہ اس طرح کے کسی اختلاف کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سوم یہ کہ اختلاف اگر الگ الگ قبیلوں کے افراد میں بھی ہوتا تو 'انزل' (نازل کیا گیا) کا لفظ اس روایت میں ناقابل توجیہ ہی تھا، اس لیے کہ قرآن نے اپنے متعلق یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ وہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بے شک، مانی جا سکتی ہے کہ مختلف قبیلوں کو اسے اپنی اپنی زبان اور لہجے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن یہ بات کس طرح مانی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے مختلف قبیلوں کی زبان میں اتارا تھا؟

چہارم یہ کہ ہشام کے بارے میں معلوم ہے کہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ لہٰذا اس روایت کو مانیے تو یہ بات بھی ماننا پڑتی ہے کہ فتح مکہ کے بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہ، یہاں تک کہ سیدنا عمر جیسے شب و روز کے ساتھی بھی اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ قرآن مجید کو آپ چپکے چپکے اس سے مختلف طریقے پر لوگوں کو پڑھا دیتے ہیں جس طریقے سے وہ کم و بیش بیس سال تک آپ کی زبان سے علانیہ اسے سنتے اور آپ کی ہدایت کے مطابق اسے سینوں اور سفینوں میں محفوظ کرتے رہے ہیں۔ ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کیسی سنگین بات ہے اور اس کی زد کہاں کہاں پڑ سکتی ہے؟

یہی معاملہ اُن روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور اُن کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا، اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات مرتب ہوا ہے، لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمۂ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں، اس کے ساتھ اگر ان کے وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:

وكان يكون من ابن شهاب اختلاف كثير اذا لقيناه، و اذا كاتبه بعضنا فربما كتب في الشيء الواحد على فضل رأيه وعلمه بثلاثة انواع ينقض بعضها بعضًا، ولا يشعر	"اور ہم لوگ جب ابن شہاب سے ملتے تھے تو بہت سے تضادات سامنے آتے اور ہم میں سے کوئی جب اُن سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق اُن کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا

جاوید احمد غامدی

میزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

قارئین کرام! یہاں پر ہم غامدی صاحب کی کتاب میزان سے تین حوالہ جات آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جس سے آپ پر غامدی صاحب کا دہرا معیار کھل کر سامنے آجائے گا، ملاحظہ فرمائیں....

حوالہ نمبر 1: غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 586 اور 587 پر ایک حدیث نقل کی ہے جس کے حاشیہ میں انہوں نے صحیح بخاری، رقم الحدیث 2787 کا حوالہ دیا ہے۔۔۔۔۔۔جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے تیسرے راوی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہوگی۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 حاشیہ صفحہ 587)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 2 اور 3)

حوالہ نمبر 2: غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 620 پر ایک اور حدیث کا ذکر کیا ہے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1499 ہے۔ جس کا حوالہ غامدی صاحب نے صفحہ 620 کے حاشیہ میں دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے تیسرے راوی بھی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 حاشیہ صفحہ 620)

(نیز ملاحظہ فرمائیں سکین نمبر 4 اور 5)

حوالہ نمبر 1 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

2

رہے اور رات کو نماز میں کھڑا رہے، اور اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے ذمہ لیا ہے کہ انھیں وفات دے گا تو سیدھا بہشت میں لے جائے گا، ورنہ اجر و ثواب اور مال غنیمت دے کر سلامتی کے ساتھ گھر لوٹا دے گا۔[13]

انھی کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو اجر و ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا: ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ پھر پوچھا: کیا یہ کر سکتے ہو کہ جب مجاہدین گھروں سے نکلیں تو مسجد میں جا کر برابر نماز میں کھڑے رہو، ذرا دم نہ لو اور برابر روزے رکھے جاؤ، کبھی افطار نہ کرو؟ اس نے کہا: بھلا ایسا کون کر سکتا ہے۔[14]

یہی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بہشت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے، ان میں سے ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے، جتنا زمین و آسمان میں ہے۔[15]

انھی کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا: اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کی راہ میں جو شخص بھی زخمی ہوا ـــــ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون فی الواقع اس کی راہ میں زخمی ہوا ہے ـــــ وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ رنگ تو خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔[16]

ابن جبر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بندے کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اسے دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔[17]

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ آپ کا ارشاد ہے: دشمن سے حفاظت کے لیے سرحد پر ایک دن کا قیام دنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر ہے۔[18]

اخلاقی حدود

تیسری بات ان آیات سے یہ واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ میں یہ قتال اخلاقی حدود سے بے پروا ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاقیات ہر حال میں اور ہر چیز پر مقدم ہیں اور جنگ و جدال کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے انحراف کی اجازت کسی

۱۳ بخاری، رقم ۲۷۸۷۔
۱۴ بخاری، رقم ۲۷۸۵۔
۱۵ بخاری، رقم ۲۷۹۰۔
۱۶ بخاری، رقم ۲۸۰۳۔ مسلم، رقم ۴۸۵۹۔
۱۷ بخاری، رقم ۲۸۱۱۔
۱۸ بخاری، رقم ۲۸۹۲۔

3

اللَّيْثِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: ((مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ)). قَالُوا: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((مُؤْمِنٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَتَّقِي اللهَ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ)). [طرفه في: ٦٤٩٤].

بن یزید لیثی نے کہا اور ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا اور اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے' اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھے۔

تشریح جب آدمی لوگوں میں رہتا ہے تو ضرور کسی نہ کسی کی غیبت کرتا ہے یا غیبت سنتا ہے یا کسی پر غصہ کرتا ہے' اس کو ایذا دیتا ہے۔ تنہائی اور عزلت میں اس کے شر سے سب لوگ بچے رہتے ہیں۔ اس حدیث سے اس نے دلیل لی جو عزلت اور گوشہ نشینی کو اختلاط سے بہتر جانتا ہے۔ جمہور کا مذہب ہے کہ اختلاط افضل ہے اور حق یہ ہے کہ یہ مختلف ہے باختلاف اشخاص اور احوال اور زمانہ اور موقع کے۔ جس شخص سے مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی فائدے پہنچتے ہوں اور وہ لوگوں کی برائیوں پر صبر کر سکے' اس کیلئے اختلاط افضل ہے اور جس شخص سے اختلاط سے گناہ سرزد ہوتے ہوں اور اس کی صحبت سے لوگوں کو ضرر پہنچتا ہو' اس کیلئے عزلت افضل ہے۔ اوپر حدیث میں ای الناس افضل کونسا آدمی بہتر ہے جواب میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حقیقت میں ایسا مسلمان دوسرے سب مسلمانوں سے افضل ہو گا کیونکہ جان اور مال دنیا کی سب چیزوں میں آدمی کو بہت محبوب ہیں تو ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا سب سے بڑھ کر ہو گا بعضوں نے کہا لوگوں سے عام مسلمان مراد ہیں ورنہ علماء اور صدیقین مجاہدین سے بھی افضل ہیں۔ میں (مولانا وحید الزمان مرحوم) کہتا ہوں کفار اور ملحدین اور مخالفین دین سے بحث مباحثہ کرنا اور ان کے اعتراضات کا جو وہ اسلام پر کریں' جواب دینا اور ایسی کتابوں کا چھاپنا اور چھپوانا یہ بھی جہاد ہے (وحیدی) اس نازک دور میں جبکہ عام لوگ قرآن و حدیث سے بے رغبتی کر رہے ہیں اور دن بدن جہالت و ضلالت کے غار میں گرتے چلے جا رہے ہیں' بخاری شریف جیسی اہم پاکیزہ کتاب کا باترجمہ و تشریح شائع کرنا بھی جہاد سے کم نہیں ہے اور میں اپنے انشراح صدر کے مطابق یہ کہنے کیلئے تیار ہوں کہ جو حضرات اس کار خیر میں حصہ لے کر اسکی تکمیل کا شرف حاصل کرنے والے ہیں یقیناً وہ اللہ کے دفتر میں اپنے مالوں سے مجاہدین فی سبیل اللہ کے دفتر میں لکھے جا رہے ہیں (راز)

٢٧٨٧- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: ((مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ - وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِهِ - كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ. وَتَوَكَّلَ اللهُ لِلْمُجَاهِدِ فِي سبيله بأن يَتَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْ

(۲۷۸۷) ہم سے ابو الیمان نے بیان کیا' کہا ہم کو شعیب نے خبر دی' ان سے زہری نے بیان کیا کہ مجھے سعید بن مسیب نے خبر دی اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپؐ فرما رہے تھے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثال ---- اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو (خلوص دل کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کیلئے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے --- اس شخص کی سی ہے جو رات میں برابر نماز پڑھتا رہے اور دن میں برابر روزے رکھتا رہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے

صحیح بخاری

حضرت مولانا محمد داؤد راز

قال قال رسول الله ﷺ انما الاعمال بالنیات

حوالہ نمبر 2 کے سکین ملاحظہ فرمائیں

4

کفارے میں اور اپنے پروردگار کے حضور میں توبہ کے لیے، اُس کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی آزاد کرے۔

دوم یہ کہ وہ اگر دشمن قوم کا کوئی مسلمان ہے تو قاتل پر دیت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اس صورت میں یہی کافی ہے کہ اپنے اس گناہ کو دھونے کے لیے وہ ایک مسلمان غلام آزاد کر دے۔

سوم یہ کہ ان دونوں صورتوں میں اگر غلام میسر نہ ہو تو اُس کے بدلے میں مسلسل دو مہینے کے روزے رکھے۔

یہ کسی شخص کے غلطی سے قتل ہو جانے کا حکم ہے، لیکن صاف واضح ہے کہ جراحات کا حکم بھی یہی ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُن میں بھی دیت ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ کفارے کے روزے بھی دیت کی مقدار کے لحاظ سے لازماً رکھے جائیں گے۔ یعنی، مثال کے طور پر، اگر کسی زخم کی دیت ایک تہائی مقرر کی گئی ہے تو کفارے کے بیس روزے بھی لازماً رکھنا ہوں گے۔

عمد اور خطا کے اس قانون میں قصاص اور کفارے کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن قتل و جراحت کی ان دونوں صورتوں میں دیت کس طریقے سے اور کتنی دی جائے گی؟ نساء کی جو آیت اوپر نقل ہوئی ہے، اُس میں اس کے لیے 'دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لفظ 'دية' اگر غور کیجیے تو ان میں نکرہ آیا ہے۔ اسم نکرہ کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اپنے مفہوم کے تعین میں یہ لغت و عرف اور سیاق کلام کی دلالت کے سوا کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لہٰذا 'دية' کے معنی ہیں: وہ شے جو دیت کے نام سے معروف ہے اور 'دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ' کے الفاظ حکم کے جس منشا پر دلالت کرتے ہیں، وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مخاطب کے عرف میں جس چیز کا نام دیت ہے، وہ مقتول کے ورثہ کے سپرد کر دی جائے۔ سورۂ بقرہ میں قرآن مجید نے جہاں قتل عمد کی دیت کا حکم بیان کیا ہے، وہاں یہی بات لفظ 'معروف' کی صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ. (۲: ۱۷۸)

"پھر جس کے لیے اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت کی گئی تو دستور کے مطابق اُس کی پیروی کی جائے اور جو کچھ بھی خوں بہا ہو، وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے۔"

نساء اور بقرہ کی ان آیات سے واضح ہے کہ خطا اور عمد، دونوں میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ دیت معاشرے کے دستور

---

۳ چنانچہ اگر غلطی نہ ہو تو یہ قانون اس سے متعلق نہ ہوگا۔ بخاری (رقم ۱۴۹۹) کی روایت ہے: 'العجماء جبار والبئر جبار والمعدن جبار' (جانور نے مارا ہو تو اُس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کنویں میں گرا ہو تو اُس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، کان میں حادثہ پیش آ جائے تو اُس کے مالک پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے)۔ یعنی اُس صورت میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے، جب مالک کی کسی غلطی کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

جاوید احمد غامدی

مِیزان

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

5
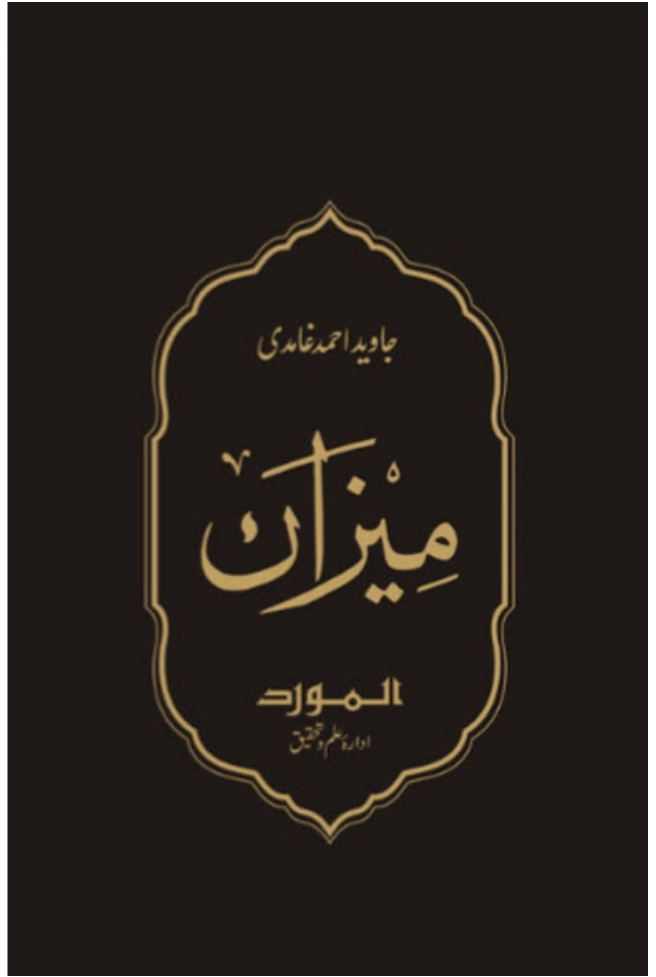
اس سلسلہ میں احناف کے بھی کچھ دلائل ہیں۔ جن کی بنا پر وہ معدن کو بھی رکاز میں داخل کرتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں ارکز المعدن کا لفظ مستعمل ہے جب کان سے کوئی چیز نکلے تو کہتے ہیں ارکز المعدن حضرت امام بخاریؒ نے اس کا الزامی جواب دیا ہے کہ لفظ ارکز تو مجازاً بعض دفعہ نفع کثیر پر بھی بولا جاتا ہے۔ وہ نفع کثیر کسی کو کسی کی بخشش سے حاصل ہو یا تجارتی منافع سے ہو یا کثرت پیداوار سے ایسے مواقع پر بھی لفظ ارکزت بول دیتے ہیں۔ یعنی تجھے خزانہ مل گیا۔ تو کیا اس طرح بول دینے سے اسے بھی رکاز کے ذیل میں لایا جا سکتا ہے؟ پس ایسے ہی مجازاً یہ لفظ کان پر بھی بول دیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ کان رکاز میں داخل نہیں ہے۔ اس کا مزید ثبوت خود حنفی حضرات کا یہ فتویٰ ہے کہ کان کہیں پوشیدہ جگہ میں مل جائے تو پانے والا اسے چھپا بھی سکتا ہے۔ اور ان کے فتویٰ کے مطابق جو پانچواں حصہ اسے ادا کرنا ضروری تھا' اسے وہ اپنے ہی اوپر خرچ کر سکتا ہے۔ یہ فتویٰ بھی دلالت کر رہا ہے کہ رکاز اور معدن دونوں الگ الگ ہیں۔ چند روایات بھی ہیں جو مسلک حنفیہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن سند کے اعتبار سے وہ بخاری شریف کی روایات مذکورہ کے برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا ان سے استدلال ضعیف ہے۔

سارے طول طویل مباحث کے بعد حضرت شیخ الحدیث موصوف فرماتے ہیں:

والقول الراجح عندنا هو ما ذهب اليه الجمهور من ان الركاز انما هو كنز الجاهلية الموضوع فى الارض وانه لا يعم المعدن بل هو غيره والله تعالى اعلم. یعنی ہمارے نزدیک رکاز کے متعلق جمہور ہی کا قول راجح ہے کہ وہ دور جاہلیت کے دفینے ہیں جو پہلے لوگوں نے زمین میں دفن کر دیئے ہیں۔ اور لفظ رکاز میں معدن داخل نہیں ہے۔ بلکہ ہر دو الگ الگ ہیں۔ اور رکاز میں خمس ہے۔

رکاز کے متعلق اور بھی بہت سی تفصیلات ہیں کہ اس کا نصاب کیا ہے؟ قلیل یا کثیر میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس پر سال گزرنے کی قید ہے یا نہیں؟ اور وہ سونے چاندی کے علاوہ لوہا' تانبا' سیسہ' پیتل وغیرہ کو بھی شامل ہے یا نہیں؟ اور رکاز کا مصرف کیا ہے؟ اور کیا ہر پانے والے پر اس میں خمس واجب ہے؟ پانے والا غلام ہو یا آزاد ہو' مسلم ہو یا ذمی ہو؟ رکاز کی پہچان کیا ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے سکوں پر پہلے کسی بادشاہ کا نام یا اس کی تصویر یا کوئی اور علامت ہونی ضروری ہے وغیرہ وغیرہ ان جملہ مباحث کے لیے اہل علم حضرات مرعاۃ المفاتیح جلد ۳ ص ۶۴ و ۶۵ کا مطالعہ فرمائیں جہاں حضرت الاستاذ مولانا عبیداللہ صاحب مد ظلہ نے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء فی الدارین۔ میں اپنے ان مختصر صفحات میں تفصیل مزید سے قاصر ہوں اور عوام کے لیے میں نے جو لکھ دیا ہے اسے کافی سمجھتا ہوں۔

١٤٩٩- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ، وَالْبِئْرُ جُبَارٌ، وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ، وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ)).

[أطرافه في: ٢٣٥٥، ٦٩١٢، ٦٩١٣].

(۱۴۹۹) ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا' انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی' انہیں ابن شہاب نے' ان سے سعید بن مسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا' اور ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جانور سے جو نقصان پہنچے اس کا کچھ بدلہ نہیں اور کنویں کا بھی یہی حال ہے اور کان کا بھی یہی حکم ہے اور رکاز میں سے پانچواں حصہ لیا جائے۔

٦٧- بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى:

باب اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں فرمایا زکوٰۃ کے
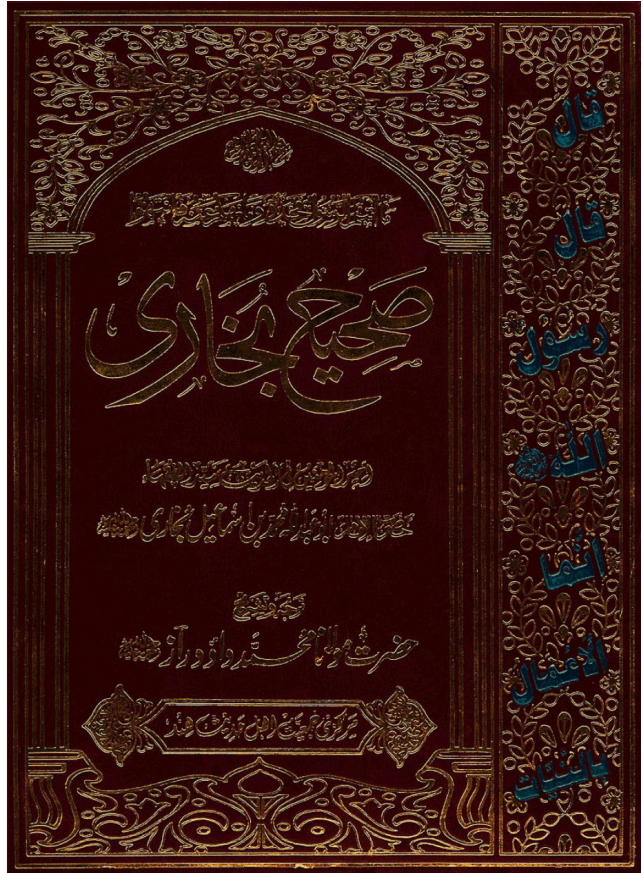
حوالہ نمبر 3: پھر غامدی صاحب نے اپنی اسی کتاب میزان کے صفحہ 638 پر صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے جسکا نمبر 806 ہے۔۔۔۔۔۔۔جبکہ اسی حدیث مبارکہ کے چوتھے راوی بھی وہی ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ہیں جن پر غامدی صاحب نے میزان کے صفحہ 31 پر تنقید کی تھی اور کہا تھا کہ انکی کوئی روایت قابل قبول نہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں میزان طبع پنجم دسمبر 2009 صفحہ 638)

خور و نوش

قال: تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت، فمر بها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، فقال: هلا اخذتم اهابها فدبغتموه فانتفعتم به؟ فقالوا: انها میتة، فقال: انما حرم اکلها. (مسلم، رقم ۸۰۶)

”سیدہ میمونہ کی ایک لونڈی کو بکری صدقے میں دی گئی تھی۔ وہ مر گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم نے اس کی کھال کیوں نہیں اتاری کہ دباغت کے بعد اس سے فائدہ اٹھاتے؟ لوگوں نے عرض کیا: یہ تو مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کا صرف کھانا ہی حرام ہے۔“

میزان ۶۳۸

۳-كتاب الحيض 446

أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ، أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا، فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا».

ہے یا نہیں تو ہرگز مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو محسوس کرلے۔“

(المعجم ۲۸) - (بَابُ طَهَارَةِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ بِالدِّبَاغِ) (التحفة ٦١)

باب:27- مرے ہوئے جانور کا چمڑہ رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے

[٨٠٦] ١٠٠-(٣٦٣) وَحَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى، وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، وَعَمْرٌو النَّاقِدُ، وَابْنُ أَبِي عُمَرَ، جَمِيعًا عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ يَحْيَى: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: تُصُدِّقَ عَلَى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُونَةَ بِشَاةٍ، فَمَاتَتْ، فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «هَلَّا أَخَذْتُمْ إِهَابَهَا، فَدَبَغْتُمُوهُ، فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ؟» فَقَالُوا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ، فَقَالَ: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا».

[806] یحییٰ بن یحییٰ، ابوبکر بن ابی شیبہ، عمرو ناقد اور ابن ابی عمر سب نے سفیان بن عیینہ سے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کہا: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ لونڈی کو صدقے میں بکری دی گئی، وہ مر گئی، رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ”تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اتارا، اس کو رنگ لیتے اور اس سے فائدہ اٹھا لیتے!“ لوگوں نے بتایا: یہ مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: ”بس اس کا کھانا حرام ہے۔“

قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِمَا: عَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا.

ابوبکر اور ابن ابی عمر نے اپنی روایت میں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ کہا (سند میں روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آگے میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کی۔)

[٨٠٧] ١٠١-(...) وَحَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَجَدَ شَاةً مَيْتَةً، أُعْطِيَتْهَا مَوْلَاةٌ لِمَيْمُونَةَ، مِنَ الصَّدَقَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «هَلَّا انْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا؟» قَالُوا: إِنَّهَا مَيْتَةٌ، قَالَ: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا».

[807] ابن شہاب زہری کے دوسرے شاگرد یونس نے باقی ماندہ سابقہ سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مردار بکری (پڑی) پائی جو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو صدقے میں دی گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے اس کے چمڑے سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا!“ لوگوں نے کہا: یہ مردار ہے۔ آپ نے فرمایا: ”بس اس کا کھانا حرام ہے۔“

اب ہم غامدی صاحب اوران کے سٹوڈنٹس کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر میزان کے صفحہ 31 پر ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی روایت قابل قبول نہیں ہے تو پھر اسی کتاب میزان کے 586، 620اور 638 کے صفحات پر انہی ابن شہاب زہری کی روایات آپ کے لیے قابل قبول کیسے ہوگئیں؟ یہ تو غامدی صاحب کے اپنے ہی منہج واستدلال میں واضح ٹکراؤ اور تضاد ہے۔

قارئین کرام! اب تک ہم نے آپ حضرات کی خدمت میں ابوعبدالرحمٰن السلمی، امام ابن سیرین، امام زرکشی اور ابن شہاب زہری رحمہم اللہ کی بابت غامدی صاحب کی طرف سے عوام الناس کو، انکی علمی خیانتوں اور دہرے معیار کی صورت میں دیے جانے والے دھوکے کو روز روشن کی طرح واضح کر کے رکھ دیا ہے۔ غامدی صاحب کے حلقہ احباب کی طرف سے یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ کوئی غامدی صاحب کو بنائے گئے اصولوں کو دلیل سے رد نہیں کرسکتا جبکہ صورتحال تو یہ ہے کہ موصوف نے خود اپنے بنائے ہوئے اصولوں کو روند کر رکھا ہوا ہے، وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۔